قصص الاولین مواعظ الآخرین

حیات ذوق

جسمین ملک الشعرائے ہند شیخ ابراہیم ذوق
کی زندگی کے حالات اور اُن کی تصنیفات
کی کیفیت درج ہے

منشی احمد حسین خان صاحب احمد مترجم ڈویزنل کورٹ لاہور
مصنف آئینہ روزگار - حیات سعدی وغیرہ نے

حسب فرمائش کارخانہ مطبع خادم التعلیم لاہور قلمبند کیا

سنہ ۱۸۹۵ء

مطبع خادم التعلیم پنجاب میں باہتمام منشی محبوب عالم کے طبع ہوا

پیارے ناظرین ذوق مرحوم۔ جس کی زندگی کا حال مین تمہین سناتا ہون
اُن صاحبِ کمالون مین سے ہے جنہون نے اپنے عالی دماغ اور فکر کے دخان
سے اُردو زبان کے کارخانون مین ایجاد کی ہوائیان چھوڑائین جنہون نے ایسی
کلین نازک خیالی اور لطافت سے اختراع کین کہ شعراء اردو کو تیج آتشبازی کی طرح تہ
عالی پر پہنچا دیا۔ یہ وہ شاق دماغ تھے جو بلند پروازیکے پر لگا کر ایسے بلند اڑے کہ اڑ
ہی گئے۔ یہ وہ کامل مصور تھے جنہون نے پھول کی پنکھڑیون پر نازک خیالی کی موقلم سے
ایسی باریک باریک نقاشی اور رنگکاری کی کہ غور کی نگاہ کے بغیر دکھائی نہین دیتی
یہ اُس رتبہ کے جوان مرد تھے جن کی پا انداز مین فصاحت نے آنکھین بچھائین اور بلاغت
قدم چوم کر آداب بجا لائی۔ یہ وہ صراف تھے جنہون نے اُردو زبان کے سونے کو
کدورتون سے پاک و صاف کیا اور اُسکو ایسا بنا دیا جس سے آرائشون کے
سامان حسینونکے زیور۔ بادشاہونکے تاج۔ تیار ہوئے۔ یہ وہ شناسامری تھے
جن کی تیزی طبع کے سحر حلال نے ادنےٰ اعلےٰ کے دلون کو تسخیر کر لیا۔

بیشک ذوق مرحوم اُنہین شخصون مین سے تھا۔ جن کی طبع رسا ایک جوی شیر
تھی جس سے قیامت تک لوگ سیراب ہوتے رہینگے۔ جو ایسے ذی فہم صاحبِ ادراک
معمار تھے جنہون نے شہرت عام اور بقائے دوام کے لیے عالیشان محل تعمیر کئے جو
آسمان سے باتین کرتے ہین۔ جو فلک کے صدمون انقلاب کے خوفناکون اور زمانہ
کے زلزلون کو خیال مین نہین لاتے ؎

زندہ رہیگا نام سخن سے ابد تلک — اولاد سے جیا تو کوئی تین چار پشت

اے ناظرین باتمکین! اِن صاحب کمال کی تصانیف ایک بے بہا ذخیرہ ہے جو طالب نصیحت کے لئے ناصح مشفق ہے۔ جو صاحب خبر کے لئے عبرت ہے۔ جو اہل نظر کے لئے بصیرت ہے۔ جو افسردہ دل کو دل بہلانے کے لئے یار غمگسار ہے۔ جو مردہ دلون مین جان ڈالنے کے لئے دم عیسےٰ سے کم نہین۔ جو مدہم آرزوؤنکو چمکانے کے لئے برقی طاقت کا آلہ ہے۔ جس سے سوتے دلون مین گدگدی ہوتی ہے۔ اور جس مین اوداسی اور خوشی دونوکی چاشنی موجود ہے۔ اگرچہ اِن کاغذی خانقاہون مین بسنے والون نے زیادہ حُسن و عشق کے دربار مین زندگی گذاری ہے۔ مگر باوجود عاشقانہ مضامین کے انکی طرز تحریر لفظونکی عمدہ تراشین۔ پسندیدہ ترکیبین۔ استعارے اور تشبیہین ایسی ہین۔ اگر ہم سلیقہ اور امتیاز سے کام مین لائین تو علوم و فنون تاریخ وغیرہ عام مطالب مین ہمارے ادائے مقاصد و انداز بیان کے لئے عمدہ معاون اور کارآمد ہوسکتی ہین۔

ذرا غور سے دیکھو تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ انہون نے حُسن و عشق کے ہی باغین نہین گلچینی کی۔ بلکہ ہر میدان مین شہسوار بنکر گھوڑے دوڑائے ہین۔ جہان رزم کا فوٹو کھینچا ہے۔ وہان ہو بہو میدان جنگ نظر آتا ہے۔ جہان بزم کا نقشہ اوتارا ہے وہان یہ معلوم ہوتا ہے کہ مضامین کے تارے آسمان سے اوتارے ہین۔ جہان ماتم یا مجلس عزا کا نمونہ دکھایا ہے وہان لفظونکی زبان سے شور و شیون کی آواز آتی ہے۔ جہان ظرافت سے گلبازی کی ہے۔ وہان بے ساختہ ہنسی کے بے اختیار پڑھنے والا لوٹ جاتا ہے۔

یہ باکمال حضرات اگرچہ مر گئے ہین مگر زندہ اور اگرچہ نظر نہین آتے مگر موجود ہین۔ انکی تصنیفین نشانیان ہین۔ جنکا نشان اور روائین موجود ہین تو یہ خود موجود ہین۔ انکے فکر کی دستکاریان ایسے تحسین آفرین نئے پہلوون سے مزین اور تاجدار ہین جو کبھی نہین کملائینگے۔ انکے بنگلے ہین انکے سدا بہار پہولونکے نذر ہین جن تک خزان کا ہاتھ قیامت تک نہین پہنچیگا۔

احمد حسین خان

لاہور

۱۲ - اگست سنہ ۱۹۰۲ع

فہرست مطالب
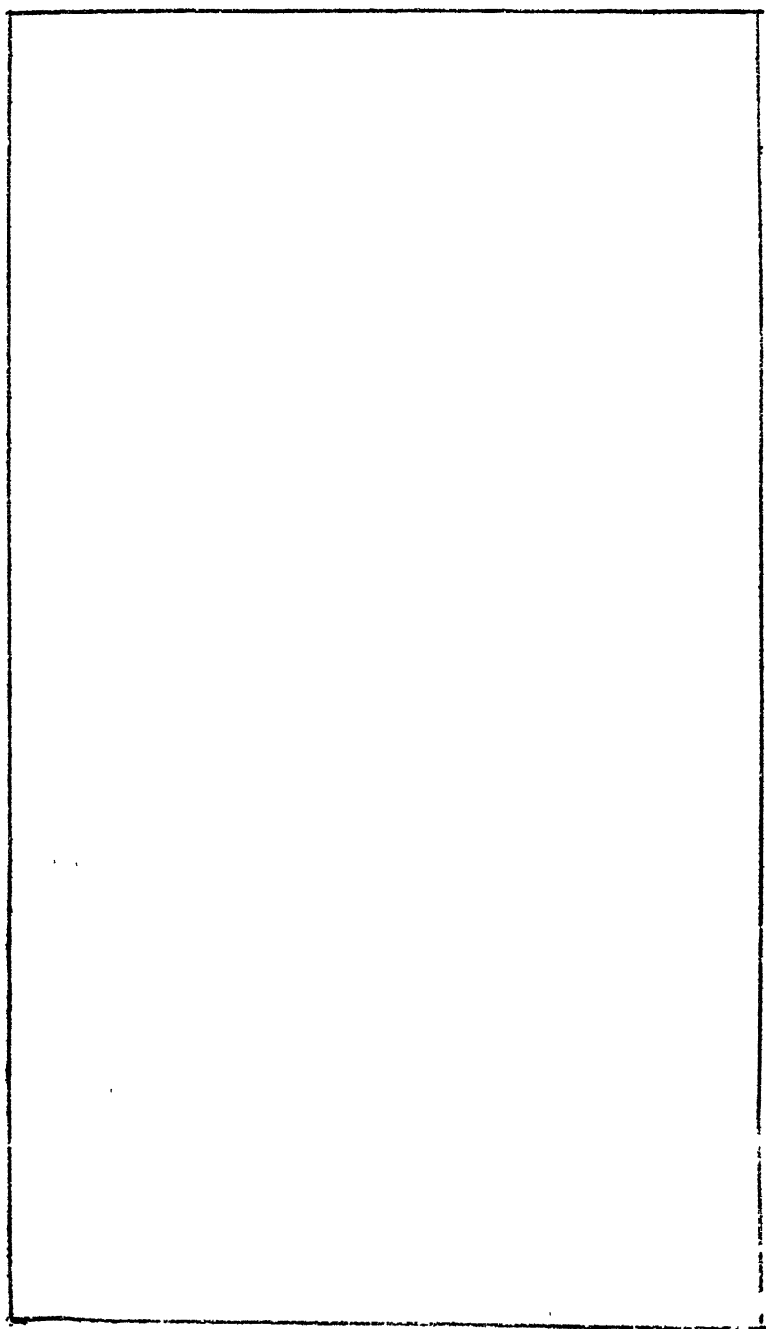
شہر دلّی مین ۔ اُس منتخب روزگار دلّی مین ۔ اُس اُجڑی دیار دلّی مین ۔ جہان لنگڑے دجّال نے ہنگامہ محشر برپا کر دیا تھا ۔ جہان اکبری نورتن نے شہرت یونان پر اوس برسادی تھی ۔ جہان تخت طاؤس کے جلوہ آراستے نے جشن مہتابی سے جشن فریدون و نوروز جم کو مات کر دیا تھا ۔ جہان کئی بار گلی کوچون مین خون کے نالے بہے ۔ جس کی جامع مسجد مین محمد شاہ کا سفید ریش مشیر ؎

کسے نہ ماندکہ دیگر بہ تیغ ناز کشی
مگر کہ زندہ کنی خلق را و باز کشی

کہتا ہوا زوال ہند کے روبرو آکھڑا ہوا تھا ۔ جہان ۵۷ء کے انقلاب مین سینکڑون ناکردہ گناہ عورتین مہتابی کیطرح زندہ جلا دی گئین ۔ جہان ہزارون معصوم بچے شہید تیغ ستم ہوئے ۔ اسی دلّی مین جو کئی بار اجڑی اور کئی بار بسی ایک چھوٹا سا مکان کابلی دروازہ کے پاس تھا ۔ اس مکان مین ایک غریب سپاہی شیخ محمد رمضان نامی رہتا تھا ۔ محمد رمضان کی آمدنی معمولی تھی ۔ مگر کنبہ بھی کوئی ایسا

دبا چوڑا نہ تھا۔ اسلئے شیخ موصوف باوصف قلیل آمدنی کے اپنی زندگی آسودہ
طور پہ گذارتا تھا۔ شیخ محمد رمضان بہت معتبر اور بالیاقت الشان تھا۔ اسلئے
نواب لطف علی خان نے اپنے حرم سرائے کے کاروبار بھی اُسی کے سپرد کر
رکھے تھے۔ شیخ صاحب کی نشست و برخاست عموماً بڑے بڑے آدمیون مین تھی
اور زمانہ کے تجربہ اور عالموں کی ہمنشینی نے انکو حالات زمانہ سے باخبر کردیا تھا۔
چنانچہ شیخ صاحب کو بہت سے قصے اور فسانہ ازبر تھے۔ اور انکی زبانی باتین کتب
تاریخ کی بیش بہا سرمایہ سے کم نہ تھین۔ شیخ صاحب کے گرد ہروقت بچون کا ہجوم
رہتا تھا۔ اور ہروقت کہانیونکی فرمایش کا تانتا لگا رہتا تھا۔ انہین شیخ صاحب کے
گھر سنہ ۱۲۰۴ھ مین ایک اکلوتا بیٹا پیدا ہوا۔ جسکا نام شیخ ابراہیم رکھا گیا۔ خدا کے
کارخانہ بھی عجیب ہین۔ اسوقت کسے خبر ہوگی کہ غریب سپاہی کا لڑکا میدان
سخن کا شہسوار ہوگا۔ کس کو علم ہوگا کہ اس رمضان سے جو چاند نکلا ہے وہ
سپہر سخن پر عید کا چاند بنکر چمکیگا۔ کون کہسکتا تھا کہ نواب لطف علیخان کے
معتمد کا پسر ولیعہد سلطنت کا اُستاد کہلائیگا۔

کہتے ہین کہ شیخ ابراہیم کی ولادت کی رات شیخ رمضان نے خواب مین دیکھا کہ
ایک پُرانے فیشن کا بزرگ دارھڑی دار پگڑی باندھے ہے۔ بڑا گھیردار جامہ پہنے
مشروع کاڑھ ہیلا پاجامہ زیب تن کئے جریب ٹیکتا ہوا آیا۔ اور سرہانے کھڑا ہوکر
کہنے لگا "اے شخص آج وہ صاحب کمال عالم ارواح سے کشور اجسام مین آنے
والا ہے جسکا نام شہرت عام بنکر جہان مین مشہور ہوگا۔ جو کشور سخن مین
مدت تک اپنا سکہ چلائیگا۔ اور مجھ عاجز کا نام زندہ کریگا۔ اے شخص زہے قسمت
تیری کہ تیرے نطفہ سے ایسا صاحب کمال پیدا ہوئے"

حافظ احمد یار کا جو ایک نامور حافظ تھے اور سرکار عالی مین حافظان قرآن
مین نوکر تھے اور جو سید انشا کے یار غار تھے قول ہے کہ مین نے خواب مین
دیکھا کہ ایک جنازہ رکھا ہے اور بہت سے لوگ جمع ہین۔ چنانچہ سید انشاء
بھی سرِ برہنہ کھڑے ہین۔ اتنے مین حافظ عبدالرحیم نے جو حافظ احمد یار کے
والد بزرگوار تھے انشا کے کان مین کچھ کہا۔ انشا نے ایک پیالہ دودھ سے
بھرکر شیخ ابراہیم کے ہاتھ مین دیا اور کہا کہ پی جاؤ۔ شیخ علیہ الرحمۃ جھجکے کہ حافظ
عبدالرحیم خود اُٹھے اور کہا کہ پی لو۔ حافظ جی پیچھے پھرپھر کے دیتے جاتے تھے اور

شیخ صاحب پیٹتے جاتے تھے۔ حافظ موصوف نے پوچھا کہ یہ کیا معاملہ ہے۔
اور جنازہ کس کا ہے اور یہ سوگوار کون ہیں۔ جواب ملا کہ یہ مرزا شیخ کا جنازہ ہے
اور میاں ابراہیم انکے جانشین مقرر کئے گئے ہیں۔ ہو وہ جو میاں ابراہیم نے
بیان سے انکے کلام میں درپیسے شعر ہی بنتے گا۔
میر تقی کا اُنکے والد کے خواب میں تشریف لانا اور میر سودا کا انکو پیغام دینا
بنا میری رائے ناقص میں الشیائی ہر دو قصے ہیں جو دلی والوں میں سینہ بسینہ چلی
آتی ہیں۔ تاوقتیکہ کوئی تحریری ثبوت نہ ہو اُن پر آسانی سے اعتبار نہیں کیا
جا سکتا۔
شیخ ابراہیم جب پڑھنے کے قابل ہوئے تو انکو حافظ غلام رسول کے مکتب
میں بھیجا گیا۔ حافظ جی انکے پڑوس ہی میں رہتے تھے اور اکثر محلہ کے لڑکے
انہی کے پاس پڑھتے تھے۔ انہیں بھی وہیں بٹھا دیا گیا۔
شیخ صاحب کو مکتب میں گئے تھوڑا ہی عرصہ ہوا تھا کہ چیچک نے آ دبایا۔
اور اس زور سے نکلی کہ تل دھرنے کو جگہ نہ رہی اور نتیجہ یہ ہوا کہ اس بدبخت مرض
نے اُن کا چہرہ آئندہ ساری عمر کے لئے بدشکل کر دیا۔
حافظ غلام رسول شاعر بھی تھے شوق تخلص کرتے تھے۔ ان دنوں دلّی میں
گھر بگھر شعر و سخن کا چرچا تھا۔ اور اہل محلہ اکثر حافظ جی سے غزلیں کہوا لیجایا کرتے
تھے۔ اور شوقین نوجوان تو اکثر مکتب میں تمام دن ہی بیٹھے رہتے تھے۔
غرض مکتب میں پڑھائی تو معمولی ہوتی تھی ہر وقت شعر و سخن کا ہی چرچا
رہتا تھا۔ میاں ابراہیم نے جب دیکھا کہ شعر ہی وہ چیز ہے جس کی بدولت
ہر وقت میلا لگا رہتا ہے۔ اور واہ واہ سبحان اللہ کی ہر دم بوچھاڑ رہتی ہے
تو انکو بھی شعر کہنے کا شوق چرایا۔ ایک تو قدرتی ذہین تھے دوسرے ہر وقت
وہاں یہ ہی شغل تھا۔ سنتے سنتے انہیں بہت سے شعر یاد ہو گئے۔ اور ہر وقت
اشعار پڑھتے پھرا کرتے تھے۔ رفتہ رفتہ شوق کا یہ عالم ہوا کہ درگاہوں اور
مزاروں پر جا کر دعائیں مانگا کرتے اور منتیں مانتے تھے۔ کہ یا الٰہی مجھے بھی
شعر کہنا آ جائے۔
فلاسفروں کا قول ہے کہ ہر ایک انسان میں ایک خاص ملکہ ہے جس کے
باعث وہ شخص اُس کام کو جس سے اُسے رغبت ہو بہ آسانی اور دوسروں سے

بلند تر ہو سکتی ہے - مثلاً بعض ایسے اشخاص دیکھنے مین آتے ہین - کہ ریاضی سے
نہایت خاص اُنس ہوتا ہے - اور علم زبان کیطرف توجہ نہین کرتے - برخلاف
اسکے بعض ریاضی سے سخت نفرت کرتے ہین - مگر اعلے درجہ کے زباندان ہوتے
ہین - [illegible] اقلیدس سے کوسون بھاگتا تھا - مگر نظم و نثر کے میدان
مین کبھی برق تھا کبھی باد و باران -

یہ ملکہ عہد طفلی سے ہی ظہور پذیر ہونے لگتا ہے یعنے جیسے جارج سٹیفنسن
موجد ریل گاڑی مین کھلونون کے اختراع و ایجاد کا خاص ملکہ تھا - جب وہ بچہ ہی
سے تھے تو مٹی کے جزیرہ اور کلین بنایا کرتے تھے - شیخ موصوف مین بھی شاعری کا
جوہر قدرتی تھا - اور اسی جوہر کے ذریعہ مکتب ہی مین ٹوٹے پھوٹے شعر جوڑنے
اور قافیہ بندی کرنے لگے - انکی طبیعت مثل باروت کے تھی جسمین حافظ غلام رسول
کی شاعری نے دیا سلائی کا کام کیا - غرض جب میان ابراہیم مکتب سے رخصت ہوئے
تو علمی لیاقت شد بود ہی تھی - مگر شاعری کے عاشق زار تھے -

کہتے ہین سب سے پہلے جو دو شعر انہون نے کہے وہ حسن اتفاق سے حمد و نعت
مین تھے - پہلا شعر خداوند تعالے کی تعریف مین تھا - اور دوسرا سرور کائنات کی -
میری رائے مین یہ بات مشکل سے قابل یقین متصور ہو سکتی ہے اور شیخ
علیہ الرحمتہ کے ہوا خواہون کا من گھڑت یا طبعزاد چٹکلہ ہے - بیشک شاعر
پہلے مضمون سوچ لے اُسے لفظون مین ادا نہین کر سکتا - اگر صاحب آمد ہے
تو بھی پہلے مضمون کا دماغ مین قایم ہونا ضروری ہے - اور صاحب آورد ہو
تو ایک حرف بغیر سوچے سمجھے نہین لکھ سکتا - پس جب یہ صورت ہے - تو یہ کس
طرح قرین قیاس ہو سکتا ہے کہ دو شعر جو کہ خود بخود موزون ہوئے ایک حمد مین تھا اور
دوسرا نعت مین اور پھر ترتیب بھی درست یعنے پہلا حمد مین اور پچھلا نعت مین -
میرے خیال مین اصل بات یون ہے - کہ پہلے دو شعر جو شیخ علیہ الرحمتہ نے
عروض کے قاعدہ کے بموجب موزون کئے وہ بالارادہ حمد و نعت مین لکھے
خواہ کچھ ہی معاملہ ہو - بہر حال شیخ صاحبکو دو شعرونکے موزون ہونے سے
وہ خوشی ہوئی کہ جسکا کچھ ٹھکانہ نہ تھا - گویا دولت ہفت اقلیم مل گئی - ان دو شعرونکو
رنگ برنگ کی روشنائیون مین لکھتے تھے - جو ملتا تھا - اُسے سناتے تھے اور
پھولے نہ سماتے تھے - حافظ غلام رسول نے جب شعر سُنے تو بہت خوش ہوئے اور

فصل دوسری

طبعی حالات اور عادات

میاں ابراہیم کی تصویر ملاحظہ ہو۔
قد پستہ۔ رنگ سانولا۔ بدن نہ فربہ نہ دُبلا۔ منہ پر بڑے بڑے چیچک کے داغ تھے چہرہ کا نقشہ کھڑا کھڑا تھا۔ اور اگر چیچک نہ نکلتی تو شاید چہرہ کو بحالت مجموعی ملیح کہہ سکتے۔ مگر ۱ دفعہ چیچک نکلی جس نے نقش و نگار کی خوبی کو تہ و بالا کر دیا۔ آنکھیں اگرچہ بڑی بڑی نہ تھیں۔ مگر دور بینی کے نور سے منور تھیں۔ سستی یا کاہلی انہیں نام کو نہ تھی۔ اور بدن میں ہر وقت پھرتی پائی جاتی تھی۔ چلتے بہت جلد تھے آواز بلند اور پُر تاثیر تھی۔ اُنکے پڑھنے کی طرز رونق کلام کو دو بالا کر دیتی تھی۔ شعر چاہے معمولی حیثیت کا ہو۔ مگر اس خوبی سے ادا کرتے تھے کہ سامعین کو داد دینی ہی بن پڑتی تھی۔ مشاعرہ میں اس جوش سے غزل پڑھتے تھے کہ محفل گونج اُٹھتی تھی۔ صفائی پسند انتہا درجہ کے تھے۔ اور لباس ہر وقت سفید رکھتے تھے۔ کپڑا میں ذرا مٹی یا کسی شے کا داغ لگا اور انہوں نے بدلا۔ لفظ "درست ہے" انکا تکیہ کلام تھا۔

شیخ جی کے مخالف اکثر ان پہ بہتان کہا کرتے تھے۔ ایکدن ایک شخص نے آپ کے پستہ قامت ہونے پر چوٹ کی۔ تو آپ ہنس پڑے اور فی البدیہہ یہ شعر کہا ؎

آدمیت سے ہے بالا آدمی کا مرتبہ
پست ہمت یہ نہ ہووے پست قامت ہو تو ہو

ایک اور منہ پھٹ نے صاف اُنکے منہ پر کہدیا۔ کہ شیخ جی جب خدا حسن تقسیم کر رہا تھا۔ تو آپ کہان تھے انہون نے جواب دیا کہ مین اُسوقت اوج کمال کے پلنگ پر سویا ہوا تھا۔ اور بقائے دوام مجھے پنکھا جھل رہی تھی۔

حقہ پینے کی سخت عادت تھی۔ کسی وقت منہ سے حقہ الگ نہ ہوتا تھا۔ حتّٰی کہ جب مکان ضرور جاتے تھے تو حقہ ساتھ لیجاتے تھے۔ اور تین چار چلمین بیت الخلا مین بھی پیتے تھے۔

صفائی پسند اسدرجہ کے تھے کہ وضو کے وقت ایک لوٹے سے برابر کلیان کئے جاتے تھے۔ ایکدن مولوی محمد حسین آزاد نے جو انکے شاگرد رشید مین پوچھا کہ قبلہ ایک کلّی نہ سہی دو سہی۔ ایک لوٹے سے برابر کلّیان کرنے کی علت غائی کیا ہے۔ متاسفانہ طور سے جواب دیا کہ خدا جانے تمام دن کیا کیا مزلیات منہ سے نکلتی ہین۔ ایسے جب خدا کا نام لیتا ہون تو منہ پاک کر لیتا ہون یہ کہا اور آنکھون مین آنسو ڈبڈبا کر شیخ السعدیہ مطلع ذیل پڑھا ؎

پاک رکھ اپنا دہان ذکر خدائے پاک سے
کم نہین ہرگز زبان منہ مین تیرے مسواک سے

شیخ صاحب کا معمول تھا کہ رات کا کھانا دس گیارہ بجے کھاتے تھے کھانے سے فرصت ہوکر بادشاہ کی غزل درست کرتے تھے۔ اور غزل سے فراغت پاکر وہی ایک لوٹے پانی سے کلیان کرتے تھے۔ اور پھر ایک بجے تک رکوع و سجود مین مشغول رہتے تھے۔ اسکے بعد بستر استراحت پر دراز ہوتے تھے اور علی الصبح نماز کے وقت بیدار ہوتے تھے۔

شیخ علیہ الرحمتہ کا مکان نہایت تنگ و تاریک تھا۔ مگر وہ اُسمین خوش تھے۔ اِس مکانکی انگنائی مین بدقت ایک چارپائی بچھتی تھی۔ اِس انگنائی مین ایک چھوٹی سی کھڑی کھٹولی پر حقہ منہ سے لگائے بیٹھے رہا کرتے تھے۔ عید ہو یا عید کا دن ہو یا تہوار شیخ صاحب کو کسی کی شادی غمی سے سروکار نہ تھا۔ وہ نہ کہین آتے جاتے تھے۔ اِس تنگ مکان مین جسکو وہ قلعہ سے بہتر سمجھتے تھے ایسے بیٹھے کہ مرکر اُٹھے۔

اِس زمانہ مین عموماً نواب زادون اور شریف گھرانون کے لڑکون کو کنکوے اُڑانے ستار بجانے اور بٹیر لڑانے کا بڑا شوق تہا۔ دیکھا دیکھی شیخ صاحب کے

بھی شوق پیدا ہو گیا - ایک دن اکھاڑے سے پھرتے ہوئے [illegible] گھر آ رہے تھے [illegible]
کو جسر سے - ایک کھتری ان کے پیچھے سے [illegible] بچنے کے
جس سے پشت اور سر پشت سخت چوٹ لگی - مگر یہ [illegible] جانا
سمجھی - جس سے ایسی توبہ کی کہ پھر کبھی [illegible] نہ اٹھایا -

چند دن علم موسیقی کا بھی شوق رہا - اور اس فن میں کچھ شد بود حاصل بھی کی - مگر چند دنوں سے ایک صاحب کمال گویا آیا - اُس سے جب اُنکی ملاقات ہوئی تو اُس نے کہا کہ میاں تم تضیع اوقات کرتے ہو - تمہیں اس کا مذاق قدرتاً نہیں علاوہ بریں اس فن کے سیکھنے والے کو کم از کم سو برس کی عمر چاہیے - یہ سنکر ان کا دل برداشتہ ہو گیا - اور یہ کہکر کہ سپاہی زادے سے ڈوم بنا کیا ضرور موسیقی کا شوق یک قلم چھوڑ دیا -

میری رائے میں اُس گویے نے درست کہا - بعض علماے یورپ کے نزدیک موسیقی کا مدار ایک خاص عضو دماغ پر ہے جس کو اصطلاح فرینالوجی میں الحان کہتے ہیں - تا وقتیکہ یہ عضو بھر پور نہ ہو - انسان کبھی عمدہ موسیقی دان نہیں ہو سکتا - شیخ علیہ الرحمتہ میں یہ عضو کمزور تھا - اور چاہے وہ کتنی ہی کوشش کرتے اُنکو کبھی اس فن میں کمال حاصل نہ ہوتا - اُنکی طبیعت قدرت نے شاعری کے لیے ہی وضع کی تھی - اور بہتر ہوا کہ ظاہری اسباب بھی ایسے ہوتے گئے - جن سے اُنھوں نے اس میدان میں دل کھولکے اپنا کمال ظاہر کیا -

میں اس بات کو کبھی نہیں مانتا - کہ جو موسیقی سیکھے وہ خواہ مخواہ ڈوم بنجاتا ہے - یہ فن فی نفسہ ایک بڑی قابل قدر اور پُر تاثیر شے ہے - اور مانند اُس لومڑی کے جس نے بلندی انگوروں کو دیکھہ کے کہا تھا "ابھی کچے ہیں کون دانت کھٹے کرے" شیخ صاحب کا یہ قول کہ راگ سیکھکر انسان یا تو ڈوم کہاتا ہے یا عطائی کا خطاب پاتا ہے - محض اس وجہ پر مبنی تھا - کہ انکو اس فن میں دسترس حاصل نہ ہو سکی - ہندوستان میں یہ فن ایسلیے ذلیل ہو گیا ہے کہ اسکو ناخواندہ اور رذیل لوگوں نے اختیار کر لیا ہے -

شیخ مرحوم نے چند روز علم طب کی طرف بھی توجہ کی - مگر اسمیں جراحی فن قابلہ اور تشریح انسانی کے ادق مسایل کے لیے محنت شاقہ درکار تھی جو پیدا نہ کر سکے - آخر یہ کہکر کہ ناحق نیم حکیم خطرہ جان بنکر کیا لونگا اسکو بھی چھوڑ دیا -

اسکے بعد نجوم و رمل کا شوق ہوا۔ اگرچہ حفظًا و نقدًا احکام نجوم اعتقاد نہ کرنا
چاہتے تھے۔ مگر شیخ علیہ الرحمۃ اکثر رمالوں اور نجومیوں کی صحبت پسند کرتے تھے
اور میرا ایسا خیال ہے کہ انکو ضرور اعتقاد تھا۔ پہلے پہل نجوم کا ایک صاحب
کمال کا شغل پورے پورے رہتا تہا۔ اُس سے نجوم کے مسائل حاصل کیا کرتے تھے۔ اور
پھر لچھمن لعل کے گنج مین جوتشی پنڈت تلسی رام سے ملکر جواب سوال کیا کرتے
تھے۔ دلیل اسکی کہ انکو نجوم پر اعتقاد تھا۔ یہ ہے کہ اُسی پنڈت تلسی رام
نے اُن سے کہا تھا کہ آپکی عمر حد ۶۰ یا ۶۸ سال کی ہوگی۔ چنانچہ جب ۶۰ سن کے
ہوتے تو ہر دم غمگین رہا کرتے تھے۔ اور دن رات موت کا خیال اُنکے دل پر چھایا رہتا
تھا۔ اور قدرت خدا ملاحظہ کرو۔ کہ ۶۸ برس کی عمر مین ہی انتقال ہوا۔

شیخ کا مذہب شیعہ تھا۔ اور بڑے متقی اور پرہیزگار تھے۔ اور حتے المقدور
کوئی نماز قضا نہ ہونے دیتے تھے۔ لیکن جب تقاضائے عمر کے باعث ضعف
جسمانی زیادہ ہوگیا۔ تو روزہ رکھنا چھوڑ دیا۔ پھر بھی کسی کے سامنے کہاتے
پیتے نہ تھے۔

ایکدن طبیعت ناساز تھی۔ اور ملازم بھی تیار رکھا تھا۔ اسکو خبر نہ تھی کہ انکا
کیا دستور ہے۔ وہ شربت نیلوفر کٹورے مین گھولکر وہین لے آیا۔ جب اُس
نے کٹورا لاکر دیا۔ تو ہنس پڑے اور فی البدیہ کہا ؎

پلائے آشکارا ہمکو کس کی ساقیا چوری
خدا کی گر نہین چوری تو پھر بندے کی کیا چوری

انکی رحمدلی بڑی مشہور تھی۔ کسی کو روتا دیکھتے تو اُنکے دل پر بھی رقت طاری
ہو جاتی تھی۔ عمر بھر کبھی اپنے ہاتھ سے جانور ذبح نہین کیا۔ بلکہ جب کبھی راہ مین
مرغ یا بھیڑ ذبح ہوتا دیکھتے تھے تو معاً منہ پھیر لیتے تھے۔ انکی رحمدلی اور خوف
خدا کے بارہ مین بہت سی حکایتین اور لطیفے مشہور ہین جو اس موقع پر خالی
از لطف نہ ہونگے۔

ایکدفعہ شیخ صاحب کو عالم شباب مین ایک مجرب اور سریع التاثیر نسخہ قوت باہ
کا ہاتھ آیا۔ ارادہ کیا کہ اسکو بنائے۔ اُس نسخہ کی ایک جز و چالیس چڑیونکا مغز تھا
انگنائی مین جال لگا کر تین چار چڑے پکڑے اور ایک تھیلے مین ڈالے۔ مگر ان
بیزبانون کا چیخنا اور پھڑپھڑانا دیکھکر دل بیقابو ہو گیا۔ اور خیال آیا کہ آخر ان مین

بھی تو جان ہے ۔ ایک پل کی پل مزے کے لئے چالیس بے گناہوں کو مارنا انسانیت سے بعید ہے ۔ آخر خدا کو منہ دکھانا ہے ۔ یہ کہا اور فوراً انکو آزاد کیا اور نسخہ کو پھاڑ چیر کر پھینک دیا ۔

ایکدن حافظ ویران جو انکے مشہور شاگرد تھے اور شیخ مرحوم دونوں نواب زینت محل کے مکان کے قریب جا رہے تھے کہ ایک زنبور شیخ مرحوم کی گردن پر آبیٹھا اور ڈنک مارا ۔ شیخ علیہ الرحمۃ شدت درد سے بیتاب ہو گئے ۔ مگر زنبور کو مارا نہیں اوڑا دیا ۔ حافظ ویران نے کہا کہ حضرت آپ نے اسکو مارا کیوں نہیں فرمایا کہ مجھے یہی خیال آیا تھا ۔ مگر ایک تھوڑی سی تکلیف کے لئے اسکی عزیز جان لینی مناسب نہ سمجھی اور یہ شعر پڑھا ؎

نہ چھوڑی ہے سلامت روی کی چال کبھی
چلے جو راہ میں چیونٹی کو بھی سنبھال چلے

ایکدن اسی طرح گھر میں سانپ نکلا ۔ لوگ مارنے دوڑے ۔ آپ نے منع کیا اور جب وہ سوراخ میں چلا گیا تو کچھی طرح سے اس سوراخ کو بند ہوا دیا ۔ وہی حافظ ویران اسوقت اتفاق سے پاس بیٹھے تھے ۔ انکو سخت تعجب ہوا اور کہا حضرت آپ نے غضب کیا موذی کو نہ مارا ۔ شیخ ابراہیم نے جواب میں یہ قطعہ پڑھا ؎

چہ خوش گفت فردوسی پاک زاد
کہ رحمت بر آن تربت پاک باد
میازار مورے کہ دانہ کش است
کہ جان دارد و جانِ شیرین خوش است

حقیقت میں شیخ صاحب کی رحمدلی حد اعتدال سے متجاوز تھی ۔ رحمدلی بیشک ایک اعلےٰ صفت ہے ۔ مگر نہ اسقدر کہ موذی کو قبل از ایذا ہلاک نہ کیا جائے ۔ مانا کہ بغیر حکم خدا کچھ نہیں ہو سکتا ۔ مگر کوشش شرط لازمی ہے ۔ تصوف کے امام پیغمبر سخن حضرت شیخ سعدی شیرازی فرماتے ہیں ؎

بے اجل گر کسے نہ خواہد مرد
تو مرو در دہان اژدرہا

ایسی بھی رحمدلی نہیں چاہئیے کہ جسمین اپنی جان سے ہاتھ دہو بیٹھ جائیں۔
شیخ مرحوم جتنے رحمدل تھے اُتنے ہی نیک نیت بھی تھے۔ اُنکے دلمین کسیکی طرف سے کھوٹ نہ تھا۔ اگرچہ شاعرانہ اپنے حریفون اور ہمعصر شاعرون سے نوک جھوک بھی اکثر ہُوا کرتی تہین۔ مگر یہ سب باتین بزم مشاعرہ تک محدود تہین اسکے بعد اُنکے دلمین کسیکیطرف سے کینہ نہین رہتا تھا۔ اُنکا معمول تھا کہ وظیفہ سے فارغ ہوکر دعا ضرور مانگا کرتے تھے۔ سب سے پہلے سلامتی ایمان پھر تندرستی جان۔ پھر عزت وحرمت کی دعا مانگتے تھے۔ اِسکے بعد بادشاہ کی جان و مال کے لئے دعائین مانگتے تھے۔ اِسکے بعد اپنے لڑکے اسمٰعیل کے لئے ہاتھ اُٹھاتے تھے اور آخر کار اپنے جملہ دوستونکی بہبودی خُدا سے چاہتے تھے۔ ایکدفعہ مولوی آزاد کے والد اُنکے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ اور یہ سرگرم دعا تھے۔ جب درجہ بدرجہ سب کے حق مین دعا مانگ چکے تو اخیر مین کہنے لگے "الہی یہ جو میرے دروازہ کے سامنے جمان حلال خور رہتا ہے اُسکا بیل سخت بیمار ہے۔ الہی اُسے بھی شفا دیجیے بیچارا بڑا غریب ہے۔ بیل مرجائیگا۔ تو یہ بھی مرجائیگا"۔ آزاد کے والد یہ سُنکر بے اختیار ہنس پڑے۔ اور کہنے لگے۔ شیخ جی کیا اِسوقت انجیل مقدس کے دس احکام تو یاد نہین آگئے۔ منجملہ جنکے ایک حکم یہ ہے کہ اپنے پڑوسی کو اپنے جیسا سمجھ۔
شیخ ابراہیم اگرچہ متانت کو ہمیشہ مدنظر رکھتے تھے اور اکثر سنجیدگی اور تھوڑا بولنا پسند کرتے تھے۔ مگر اُنکی طبیعت مذاق اور ظرافت کی چاشنی سے محروم نہتی اور اکثر اپنے چیدہ چیدہ دوستونکے ساتھ ظرافت آمیز گفتگو کیا کرتے تھے۔
ایکدفعہ موسم برسات مین بادشاہ قطب مین تھے۔ یہ بھی ساتھ تھے۔ حافظ ویران نابینا بھی ساتھ تھے۔ یہ بیٹھے قصیدہ لکھ رہے تھے۔ کہ ایک چڑیا حافظ ویران کے سرپر آبیٹھی۔ حافظ جی نے ہاتھ سے اُڑا دیا۔ تھوڑی دیر مین وہ پھر آبیٹھی۔ حافظ نے غصہ مین سرپر ہاتھ مارا تو چڑیا تو اُڑ گئی۔ مگر فقدان پر صدمہ پہنچا۔ شیخ مرحوم کھل کھلا کر ہنسے اور کہا غیبانی حافظ جی کا سر نہ ہُوا کبوترون کی چھتری ہُوا۔ کچھ خبر بھی ہے یہ ملا ہین۔ عالم ہین۔ حافظ ہین۔ ابھی۔ احل لکم الصید کی آیت پڑھ کر کلوا واشربوا بسم اللہ اللہ اکبر کردینگے۔ محبوب علی خان خواجہ سرائے نے جو سرکار شاہی مین مختار تھے۔ مگر مشہور قمار باز تھے کسی بات سے ناراض ہوکر حج کا ارادہ کیا۔ کسی نے شیخ علیہ الرحمتہ سے بھی آکر کہا کہ خواجہ صاحب

وہ آئین گھر مین تمہارے خدا کی قدرت ہے
کبھی ہم انکو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہین -

مگر جی مین خوش تھے کہ شکر ہے رات کو آئے ورنہ ساری قلعی کھل گئی تھی - لئے نہمان کو لیکر ادہر ادہر پھرتے - یہ چاندنی چوک ہے - یہ جامع مسجد ہے - یہ دریبہ ہے - مہمان نے کہا یار سیر تو پیچھے بھی ہو جاویگی فی الحال کچھ بھوک کا علاج کرو میرے دم مین دم نہین - موتی بولے واہ تو پہلے کیون نہ کہا - اب کیا ہو سکتا ہے - اِتنے مین جامع مسجد کی سیڑھیون پر جو جا نکلے تو کیا دیکھتے ہین کہ جانی کبابی مرچون کی ہانڈی پہو نگیا ہے - بہت خوش ہوئے اور کہا یار تو خوش قسمت مہمان دن بہر کا بہوکا تھا مُنہ پہاڑ کر گرا - اور ساتھ ہی مُنہ سے مغز تک گویا باروت اوڑگئی - چھینک کر پیچھے ہٹا - اور چلا کر بولا - واہ یہی دلّی ہے! میان موتی نے کہا - اِس چٹخارے ہی کے مارے تو پڑے ہین -

شیخ مرحوم رقیق القلب بہی بہت تھے - ذراسی بات کا لگاؤ پر گھنٹون اثر رہتا تھا ایکدن حضور مین گئے - وہ محل مین تھے وہین بلوا بھیجا - اور کہا آج تمہارا قصیدہ یاد آیا - واللہ آپ نے بڑے بڑے شاعرون کے قلم توڑ دیئے - مگر آج ہمارے لئے قصیدے کہتے ہو جب ہم مرجائینگے تو جو تخت پر بیٹھے گا اُسکے لئے کہوگے - انہون نے عرض کی کہ حضور کا تردد بیجا ہے - خیمہ پیچھے گرتا ہے - میخین اور طنابین پہلے ہی اُکھڑ جاتی ہین حضور کی عمر صد و بست سالکی ہو ہم حضور سے پہلے ہی اُٹھ جائینگے - حضور دیکھین کہ عرش منزل کے امرا فردوس منزل مین کہان تھے - فردوس منزل کے اعیان سلطنت اور امیر عرش آرامگاہ مین کہان ہین - یہ کہکر گھر آئے اور دیر تک روتے رہے - اِتنے مین محمد حسین آزاد آگئے - اور اُستاد کو روتا دیکہکر سبب دریافت کیا - جواب ملا کہ ہم ہمیشہ نماز کے بعد حضور کی سلامتی جان وغیرہ کی عاقبت مانگتے ہین - خدا شاہد ہے - اپنا خیال اس طرح آجتک کبھی نہین آیا - اور وہان حضور کو ہمارا خیال ہی نہین - ساری دنیا اپنے مطلب کی ہے - کوئی کسی کا نہین جسطرف دیکھو نفسی نفسی کی پکار ہے -

سراسر خلائق چہ مرد و چہ زن
ہمہ طالب مطلب خویشتن +

ادب ایک ایسا وصف ہے کہ دشمن کو دوست بناتا ہے - ادب انسان کا زیور ہے -

ادب تمغہ شرافت ہے۔ ادب جوہر اہلیت ہے۔ ادب نسخہ تسخیر ہے۔ چنانچہ مثل مشہور ہے با ادب با نصیب۔ بے ادب بے نصیب۔ مگر افسوس ہے۔ یہ صفت جیسی کہ چاہئے ویسی شیخ صاحب مرحوم مین نہ تھی۔ شیخ صاحب اپنی لیاقت کے روبرو فرشتہ کا بھی وجود نہ سمجھتے تھے۔ اور یہ بات اکثر عوام الناس کو بھی معلوم ہوتی تھی۔ چنانچہ شیخ مرحوم پہلے حافظ غلام رسول شوق کے شاگرد ہوئے۔ اور وہ اُن سے ناراض ہو اِسکے بعد انہون نے شاہ نصیر کی شاگردی اختیار کی۔ اور اُن سے تو کھلم کھلا معرکہ آرائی کی۔ مانا کہ یہ بڑے لائق تھے۔ اور ذہانت خداداد کی رسائی سے اُستاد وقت پر سبقت لیگئے تھے۔ مگر اُنہون نے علانیہ طور پر اُن سے مقابلہ کرکے اپنی شہرت کے دامن پر ایسا دھبہ لگا لیا۔ جو نہ کبھی مٹا نہ مٹیگا۔ مولوی آزاد نے حق شاگردی ادا کرکے اِس بات پر پردہ ڈالنا چاہا ہے۔ مگر اِسمین اُنکو کامیابی نہین ہوئی۔ تالی دونون ہاتھون سے بجتی ہے۔ اگر شاہ نصیر نے اُن سے اچھا برتاؤ نہین کیا تھا تو یہ کنارہ کرتے اور اُنکے منصب اُستادی کا ہر حال مین خیال رکھتے۔ اُنکو اپنی لیاقت ظاہر کرنے کے اور سینکڑون ڈھنگ یاد تھے۔ جب چاند چڑھتا ہے تو تمام عالم دیکھتا ہے انکی لیاقت اِنکی ناموری اور اُنکا کمال ایسا نہ تھا کہ شاہ نصیر کے چھپانے سے چھپ جاتا۔ کیا عجب تھا کہ اگر یہ فرزندانہ اور شاگردون کا سا سلوک کئے جاتے تو شاہ نصیر اپنی حرکت ناشائستہ سے اگر کوئی تھی تو خود منفعل اور پشیمان نہ ہوتے۔ مگر شیخ مرحوم نے جوش جوانی مین حق شاگردی بالائے طاق رکھا۔ اور مشاعرہ عام مین مقابلہ پہ کھڑے ہوگئے۔

مولوی آزاد آبحیات مین لکھتے ہین۔ کہ ایکدن نواب الہی بخش خان نے اُستاد مرحوم کو بلوا بھیجا۔" اتنے مین حافظ غلام رسول شوق یعنے اُستاد مرحوم کے قدیمی اُستاد بھی اُسی وقت آ نکلے۔ نواب اُنہین دیکھکر مسکرائے اور اُستاد مرحوم نے اُسی طرح سلام کیا جو سعادتمند شاگردون کا فرض ہے۔ وہ اُن سے خفا رہتے تھے کہ شاگرد میرا مجھے غزل نہین دکھاتا۔ شیخ مرحوم نے وہان ٹھہرنا مناسب نہ سمجھا۔ اور رخصت چاہی۔ حافظ جی نے اپنی غزل پڑھنی شروع کر دی۔ نواب نے چپکے سے کہا۔ کان بدمزہ ہوگئے۔ کوئی اپنا شعر سناتے جاؤ۔ اُستاد مرحوم نے دو مطلع پڑھے۔

جینا نظر اپنا ہمین اصلا نہین آتا

گر آج بھی وہ رشکِ مسیحا نہیں آتا
مذکور تیری بزم میں کس کا نہیں آتا
پر ذکر ہمارا نہیں آتا نہیں آتا

میں پوچھتا ہوں کہ جب اُنکے قدیمی اُستاد تشریف لائے تھے تو انہوں نے بہتر نامناسب کیوں نہ سمجھا۔ کیا انکو حافظ شوق کے اشعار ایسے بُرے معلوم ہوتے تھے کہ انکو سننا تضیع اوقات سمجھتے تھے۔ اگر انکی تضیع اوقات بھی تھی تو سعادتمندی اسی امر کی مقتضی تھی کہ جب اُن کا اُستاد غزل پڑھنے لگا تھا تو ہرگز نہ اُٹھتے۔ اور حتی المقدور انکی تعریف کرتے۔ جب کوئی شخص تقریر کر رہا ہو یا لکچر دے رہا ہو۔ تو جبتک وہ شخص خاموش نہ ہولے وہاں سے چلا آنا اخلاق سے بعید اور بیہودہ سمجھا جاتا ہے۔ چہ جائے کہ یہاں تو انکا اُستاد غزل سنا رہا تھا۔ اور اُستاد بھی وہ جس نے اُنہیں الف بے سکھائی۔ شیخ مرحوم کو چاہیے تھا کہ دل سے اُستاد کی تعظیم و تکریم کرتے۔ ظاہر التعظیم محض انکی ظاہرداری تھی۔

میں یہ نہیں کہتا کہ شیخ علیہ الرحمۃ کے دل میں شاہ نصیر یا حافظ غلام رسول کی طرف سے کوئی عداوت تھی۔ نہیں ہرگز نہیں۔ انکا دل کینہ کی آلایش سے صاف تھا۔ نقص صرف اتنا تھا کہ اُن کا جوشِ جوانی اور انکی ذاتی لیاقت انکو کسی سے دبنے نہ دیتی تھی۔ اور اسی وجہ سے حافظ شوق تو اُن کی صورت سے بیزار تھے۔

آزاد کا یہ عذر کہ حافظ شوق اس وجہ سے ناراض تھے کہ میاں ذوق [illegible] ہوگئے تھے بالکل نہیں دکھاتا قابل پذیرائی نہیں ہے۔ اصلاح کی ضرورت ابتدائی عمر اور ابتدائی مشق میں ہوا کرتی ہے۔ جب انہوں نے اپنی محنت اور ذاتی جوہر وہ لیاقت بہم پہنچائی تھی کہ انکا کلام کسی اصلاح کا محتاج نہ تھا اور کبھی مشاق خود اُن سے اصلاحیں لیتے تھے تو مجھے یقین نہیں آتا کہ حافظ غلام رسول جیسا شخص ایسی بیہودہ وجہ پر خفا ہو جاتا۔

پس اصل معاملہ یہ تھا کہ انہیں بہت جلد اُستادوں کی ضرورت نہ رہی اور اپنی خداداد لیاقت کے باعث اُستادوں پر سبقت لے گئے۔ جس سے اُنکو ایک قسم کا رشک ہوا۔ اگر شیخ موصوف بُردباری اور تحمل سے کام لیتے تو ان کے اُستاد بجائے اسکے کہ اُن سے معرکہ آرائی کرتے۔ انکی شاگردی سے فخر کرتے اور انکی اُستادی پر نازاں ہوتے۔

شیخ مرحوم کا ہمیشہ توکل پر بھروسہ تھا۔ اور رضینا بالقضاء کے اصول کو ہمیشہ مدنظر رکھتے تھے اور اکثر کہا کرتے تھے ؎

اے قناعت تو نگرم گردان
کہ ورائے تو ہیچ نعمت نیست
کنج صبر اختیار لقمان است
ہر کہ را صبر نیست حکمت نیست

اُنہوں نے کبھی بادشاہ سے ترقی جاہ و منصب کا سوال نہیں کیا۔ اور جو اُنہوں نے خود بخود بخشا اُسی پر قانع رہے۔ جب ابوظفر بادشاہ ہوکر بہادر شاہ ہوئے۔ تو مرزا مغل بیگ کی کارستانی سے شیخصاحب کی تنخواہ صرف ۱۰۰ روپیہ ماہوار مقرر ہوئی۔ یہ بات شیخصاحب کو ناگوار گذری۔ اور دل شکستہ ہوکر اِس امر کی میاں عبدالعزیز خان صاحب سے جو فراشخانہ کی کھڑکی رہتے تھے اور ایک مرد مرتاض تھے اور اِنکو اُن سے بہت اعتقاد تھا شکایت کی۔ اسپر اُنہوں نے اِنکو قناعت کا سبق پڑہایا اور کہا جو قسمت میں لکھا ہے وہ بہر صورت مل رہے گا ؎

آنچہ نصیب است بہم میرسد
گر نستانی بستم میرسد

شیخصاحب نے اُنکی ہدایت کو تسلیم کیا اور پھر کبھی شکایت نہیں کی۔

فصل تیسری

نشو و نمائے شاعری

اِسی مکتب میں میر کاظم حسین نام ایک اِنکے ہمعصر اور ہم سبق تھے کہ نواب

سید رضی خان مرحوم کے بہانجے تھے ۔ بیقرار تخلص کرتے تھے ۔ شیخ مرحوم اور اُنہین بہت دوستی تہی ۔ اور اتحاد طبعی کے باعث اکثر اکیٹھے رہتے تھے ۔ دونون مشق کے میدان مین ملکر گھوڑے دوڑاتے تھے ۔ اور حافظ غلام رسول سے اصلاح لیتے تھے ۔ حافظ جی کا تخلص شوق تھا ۔ اور اسی رعایت سے شیخ مرحوم نے ذوق تخلص اختیار کیا ۔

میر بیقرار ۔ اور شیخ ذوق یون تو حافظ شوق سے اصلاح لیتے تھے ۔ مگر اصلاح اُنکے خاطرخواہ نہ ہوتی تہی ۔ رفتہ رفتہ اُنکے ذہن مین یہ بات سماگئی کہ حافظ شوق کو جو کچھ شد بود آتا تھا وہ تو سیکھ لیا اب کسی اور لائق شخص کی شاگردی اختیار کرین ۔

مولوی آزاد نے آبحیات مین شیخ مرحوم کی تیزی طبع دکھانے کے لیے اُن کی ابتدائی مشق کا ایک شعر لکھا ہے ۔ جو بطور نمونہ سمجھنا چاہیے وہ شعر یہ ہے ؎

ماتھے یہ تیرے جھمکے ہے جھومر کا پڑا چاند
لا دے سہ چرخ سے چاند کا وعدہ تھا چڑھا چاند

شیخ مرحوم ابھی مبتدی تھے اور بیشک یہ شعر اُنکے ذہن کی جودت اور طبیعت کی برّاقی ظاہر کرتا ہے ۔ مگر ایکدن کا ذکر ہے کہ میرے ایک عزیز دوست حکیم امین الدین بیرسٹر ایٹ لا مجھے ملنے آئے ۔ اور اتفاق سے مین نے یہ شعر اُنکے روبرو پڑہا ۔ وہ بہی مشہور شعر فہم ہین ۔ اُنکی یہ رائے تہی کہ یہ شعر معمولی ہے اور کوئی ایسے بڑے پایہ کا نہین ہے ۔ وہ کہنے لگے ۔ کہ لفظ "پڑا" پہلے مصرعہ مین بڑا کرخت ہے اور "جھمکے" ایک ایسا زیور ہے کہ صرف کان مین پہنا جاتا ہے اور ماتھے پر جھومر کے ساتھ اس لفظ کا استعمال اسکو ذو معنے نہین بناتا ۔ دوسرے مصرعہ کی بابت اُنہون نے یہ کہا کہ عاشق کی زبان سے فرضخواہون کے لہجہ مین تقاضا نہین سجتا اور ایک اَنہونی بات ہے ۔ مگر میرا اُن سے اتفاق نہین ۔ میری یہ رائے ہے کہ ایک مبتدی کے منہ سے ایسے شعر کا نکلنا بیشک اُسکی براقی طبیعت کی دلیل ہے ۔

شیخ مرحوم کے خیال مین جب یہ بات سماگئی کہ کسی اچھے مشاق کی شاگردی ضروری ہے تو اُنکو اس قسم کے آدمی کی تلاش ہوئی ۔ اتفاقاً ایکدن میر کاظم

حسبیت بیقرار نے غزل لاکر سنائی جسکے اشعار گرم تھے اور کل غزل بہڑکتی ہوئی تھی۔ شیخ مرحوم نے کہا میر صاحب اسمین تو کسی مشاق نے کاریگری کی ہے حافظ جی کا یہ مار نہین کہ ایسی اصلاح دیسکین۔ اُنہون نے کہا ہم تو شاہ نصیر کے شاگرد ہوگئے ہین۔ اور اُنہین سے یہ اصلاح لی ہے۔ شیخ مرحوم کو بھی اشتیاق ہوا۔ اور میر صاحب کی وساطت سے شاگرد ہوگئے۔

شاہ نصیر ایک مشہور و معروف شاعر ہوئے ہین۔ اصل نام انکا نصیر الدین تھا مگر چونکہ رنگت نہایت سیاہ تھی عرف انکا میان کلو تھا۔ زبردست شاعر۔ اور کہن سال مشاق تھے۔ انکی شاعری نے دکہن مین شعرگوئی کے شوق کو جو بجھے ہوئے چراغ کیطرح بالاے طاق پڑا تھا پھر روشن کیا۔ لکھنو مین سید انشا۔ مصحفی اور جرأت کے معرکون مین شریک ہوئے۔ اور جہان گئے وہین دولت کے فرشتہ نے انکی ضیافت کی۔ اور جس جگہ ٹہرے وہین انکے علم استادی کے سایہ تلے سینکڑون شاگرد جمع ہوگئے۔ شاہ صاحب کی بدیہہ گوئی اور حاضر جوابی نے خاص و عام کو تسخیر کر رکہا تھا۔ اور کیا مجال کہ انکی چست کلام مین ذرا بہی سستی کا نشان ہو۔ اصلاح نہایت جلد دینے تھے۔ اور یہ اصلاح برجستہ ہوتی تہی۔ شاہ صاحب کی تیزی طبع کا نمونہ اس غزل سے ظاہر ہے۔

غزل

زیب تن گرچہ ہے گل پیرہن سرخ تیرا
لیکن انجام یہ ہوگا کفن سرخ تیرا

مجھکو کہتا ہے وہ نکلا ہے شفق مین ہلال
یا نمودار ہے زخم کہن سرخ تیرا

دسترس پاؤن تلک اس شوخ کی مجھکو ہے یہان
کیونکہ رتبہ نہ ہوئے گلبدن سرخ تیرا

ہے میری آہ یہان نخل گلستان خلیل
تخم گلنار وہان ہے چمن سرخ تیرا

شیشۂ بادۂ گلرنگ پٹک تو سے ساقی
جامۂ سبز ہین دیکھے جو تن سرخ تیرا

آستین سے یہ لگا کہنے وہ تلوار کو پوچھ
ہے کہا آج یہ ہم خون شکن سرخ تیرا

اشک نیلم ہی نہین رنگ مسی کی یہ نمود
لب بہی ہے عوض لعل یمن سرخ تیرا

سچ بتا تو مجھے سوفار خدنگ قاتل
لہو مین کس کا پیے گا دہن سرخ تیرا

خاک پا ہم ہو شرارت سے ہم آغوش نقیر
صاف ہے شعلۂ آتش بدن سرخ تیرا

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحب نے یہ غزل لکھنؤ میں لکھی تھی اور شاید اُس معرکہ کی غزل ہے جسمیں مصحفی بھی موجود تھے مصحفی کی غزل بھی قابل ملاحظہ ہے چیدہ چیدہ اشعار لکھتا ہوں پوری غزل لکھنے کی گنجائش نہیں ہے۔

صاف خوبی سے عیاں ہے بدن سرخ تیرا — نہیں چھپتا تہ شبنم چمن سرخ تیرا

اک تو تھا آتش سوزاں بدن سرخ تیرا — شعلہ پر شعلہ ہوا پیرہن سرخ تیرا

واسطے ناکامی کے عاشق کو بڑی ہوتی ہے — قابل بوسہ ہوا جب دہن سرخ تیرا

تا کہ خون شہید دیکھے ہے گلبدن مست — جب سے پاجامہ بنا گلبدن سرخ تیرا

خون سے آلودہ ہوا آستے تیرے نشتر سپید — نام ہم کیوں نہ رکھیں یاسمن سرخ تیرا

آتش تیز میں تیرا لب کمیت بھی سپند — کہہ رہا ہے یہی خال ذقن سرخ تیرا

پان کھانے کی ادا سے ہے تو اک عالم کو — خون رولاویگا میری جان میں سرخ تیرا

کوئی خورشید شفق رنگ کو دیتا ہے فشار — پنجۂ رشک سے سیب ذقن سرخ تیرا

سرخ عیار ہے تو کم نہیں اسے درز حنا — کف رنگیں نشان ہے دہن سرخ تیرا

تو اگر نافۂ آہو ہے تو اسے عقدۂ زلف — ہے دو رخسارۂ رنگین چمن سرخ تیرا

اُسکے موباف سے بھی شانہ نے شب پوچھا تھا — دام شبرنگ ہے کیوں اسے رسن سرخ تیرا

پان کھا کر جو مسی زیب کئے تو نے دو لب — بن گیا مرغ سنبل دہن سرخ تیرا

مصحفی زخم ہے تیشہ کا تیرے ہر مو پر
نام ہم کیوں نہ رکھیں کوہکن سرخ تیرا

دونوں صاحبوں کے اشعار موجود ہیں اہل لیاقت دونوں کی طبیعتوں کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ غرض اس رتبہ کا وہ شخص تھا جسکے شاگرد شیخ مرحوم میر بیقرار کے ساتھ جا کر ہوئے شیخ مرحوم کی طبیعت اگر خالص سونا تھی تو شاہ صاحب اُسکے حق میں ایک کاریگر زرگر ہوئے شیخ مرحوم کی طبیعت اگر آبینہ تھی تو شاہ صاحب اُسکے حق میں صیقل ثابت ہوئے۔ اگر شیخ کی طبیعت کو ایک منہ زور گھوڑے سے تشبیہ دے سکیں تو شاہ صاحب نے ایک تجربہ کار چابک سوار بنکر اُسکو سدھارا۔

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ شیخ مرحوم قدرت سے ایسی طبیعت لیکر پیدا ہوئے تھے۔ جو اصلاح کی محتاج نہ تھی تو مین کبھی نہین مانتا۔ جسقدر مبتدی زیادہ تیز و طباع ہوتا ہے اُسی قدر زیادہ اُستاد کا محتاج ہوتا ہے۔ یعینہ جیسے ہونہار بچھیرا جبتک اچھے چابک سوار کے کوڑے تلے نہ نکلے جوہر نہین نکالتا۔ بلکہ بے ڈھنگا ہوجاتا ہے اسی طرح تیز اور نوجوان طبیعت زبردست اُستاد کے قلم اصلاح کی بہرصورت مین محتاج ہے۔ البتہ اگر کوئی مبتدی کُند ذہن یا طبیعت کا بھدا ہو۔ تو اُستاد کی محنت رائیگان جاتی ہے۔ مگر ذہین اور طباع کے لئے یہ لازم و ملزوم ہے۔

یہ سلسلۂ اصلاح تہوڑی مدت جاری رہا۔ مشاعروں مین غزلین پڑہی جاتین تہین اور قدردانونکی قدردانی بلند پرواز ہونیکے پر لگاتی تہی۔ مگر تہوڑے عرصہ کے بعد یہ پلٹ گئے۔ اور اُستاد شاگردون مین بگڑ گئی۔ اِس بگاڑ کی نسبت دو روائتین ہین۔ مولوی محمد حسین آزاد تو یہ لکھتے ہین۔ کہ رشک جو تلامیذ الرحمن کے آئینونکا جوہر ہے اُستاد شاگردون کو چمکانے لگا۔ بعض موقع پر ایسا ہوا۔ کہ شاہ صاحب نے اُنکی غزل کو دیکھکر بے اصلاح پہیر دیا۔ اور کہا کہ طبیعت پر زور ڈالکر کہو۔ کبھی کہدیا کہ یہ کچھ نہین پھر سوچ کر کہو بعض غزلون مین جو اصلاح دی تو بے ادائی پائی گئی۔ چنانچہ اس طرح کئی دفعہ غزلین پھیرین بہت سے شعر کٹ گئے۔ اور زیادہ تر قباحت یہ ہوئی کہ شاہ صاحب کے صاحبزادے شاہ نجم الدین منیر جو براقی طبع مین اپنے والد کے خلف الرشید تھے اُنکی غزلون مین توارد سے یا خُدا جانے کس اتفاق سے وہی مضمون پائے گئے۔ اسلئے اِنہین زیادہ رنج ہُوا۔

لیکن راقم جب محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کی تقریب مین دلّی گیا تو ایک معتبر شخص نے مختلف روایت بیان کی۔ کہ لوگونکی واہ واہ نے شیخ مرحوم کے دلمین یہ خیال پیدا کر دیا کہ اُنکا کلام کسی کی اصلاح کا محتاج نہین اور اکثر جب غزل اصلاح کے لئے پیش کیا کرتے تھے تو کہا کرتے تھے اُستاد یہ غزل بڑی عرقریزی سے کہی ہے اگر کوئی شعر کٹگیا۔ تو کلیجہ نکل پڑیگا۔ یہ باتین شاہ صاحب کو ناگوار گذرین اُدہر اِنہین یارون نے چمکا دیا۔ رفتہ رفتہ طرفین کے دلون مین گرہ بیٹھ گئی۔ اِسکے ساتھ غضب یہ ہوا کہ شاہ نجم الدین منیر اور شیخ مرحوم مین بمقتضائے سِن تکرار ہو پڑا۔ منیر مرحوم کو یہ دعوے تہا کہ جس غزل پر ہم قلم اُٹھائین اُس زمین مین کون قدم رکھ سکتا ہے۔ مشکل سے مشکل ادق سے ادق طرحین کہتے تھے اور کہتے تھے

ایکدن ہنگام بحث شیخ مرحوم نے کہا گھر کے کہے ہوئے شعر صحیح نہین آپ اُستاد سے کہوالاتے ہین - اگر مرد میدان ہو تو میدان مین آؤ - تاکہ جلسۂ عام مین فیصلہ ہو جاوے -

پرانے فیشن کے بزرگوار جس قدر اُستاد کی عزت [illegible] سے کرواتے ہین اُسی قدر اُستاد کے لڑکون کی بھی چنانچہ اُستاد کے لڑکے خلیفہ کے نام سے پکارے جاتے ہین اور ہمیشہ واجب التعظیم سمجھے جاتے ہین جب سے مغربی روشنی نے اپنا ظہور دکھایا ہے - یہ رواج منسوخ ہو گیا ہے - اس خیال سے شاہ نصیر کو اِنکا علانیہ منیر مرحوم سے جو اُنکے خلف الصدق تھے معرکہ آرائی کرنا سخت ناگوار گذرا - اور یہ بھی ایک ناچاقی کی وجہ ہوئی - غرض منیر مرحوم - اور شیخ علیہ الرحمتہ کے مقابلہ کے لیئے ایکدن مقرر ہوا - بہت سے لوگ جمع ہوئے - طرفین کے طرفدار موجود تھے - جلسۂ عام مین مصرع طرح دیا گیا - اور دونون پہلوان طبع آزمائی کے اکھاڑہ مین خم ٹھونک آکھڑے ہوئے - اُس معرکہ کی منیر مرحوم کی غزل تلاش کی گئی نہین ملی شیخ مرحوم کی غزل کا مطلع تھا ؎

یہان کے آنے کا منظور خدا صلوہ دن کرے
جو تو مانگے گا وہی وونگا خدا وہ دن کرے

اگرچہ شیخ مرحوم کی تیغ زبان ایک تیغ جوہردار تھی - مگر اسوقت پٹ پڑی وجہ اس کی یہ تھی کہ منیر مرحوم کے بہت سے طرفدار موجود تھے - اور وہ خود بھی اُستادزادہ اور بارسوخ شاعر تھا - اور اِدھر ایک غریب سپاہی زادہ تھا جس کو نہ زمانہ کا تجربہ تھا نہ دوستون اور ہمدردون کی اعانت میسر تھی - غرض شاہ صاحب کا پلہ بھاری رہا - اور شیخ مرحوم کو سوائے رنج اور دلشکستگی کے اور کچھ میسر نہوا - گو منیر مرحوم نے یہ میدان مار لیا - مگر یہ فتح اُن کو اپنی لیاقت سے حاصل نہین ہوئی - بلکہ اُستاد کی حمایت اور دوستون کی طرفداری سے ہوئی - پس اس فتح پر کسی کو نازان نہ ہونا چاہیئے -

جب نوبت یہان تک پہنچ گئی تھی - تو شیخ مرحوم کو [illegible] تھا کہ یک لخت کنارہ کرتے اور کوئی [illegible] ذریعہ اصلاح کا مقرر [illegible] وجہی عمل [illegible] مین رہنا اور [illegible] پیچھے [illegible] [illegible] ڈال سکے انھون نے

شاہ صاحب کے پاس آمد و رفت نہ چھوڑی ۔ ایکدن انہون نے سودا کی غزل پر غزل کہی اور شاہ صاحب کے پاس لیگئے ۔ انہون نے غزل اُٹھا کر پہینکدی اور کہا غزل لیجا ۔ اب تو مرزا رفیع سے بہی اونچا اوڑنے لگا "یہ منہ اور مسور کی دال" اب تجھے اُستادون کی غزل پر غزل کہنے کا حوصلہ ہوگیا ۔ شیخ مرحوم نہایت شکستہ دل ہوکر چلے آئے ۔ مرزا رفیع کی غزل یہ ہے ۔

غزل

کیا جانے کس کی خاک ہے رکھو ہوش نقش پا
یون دہر قدم کہ تا نہ دبے دوش نقش پا

اعمال رفتگان کی مکافات کر نظر
حیران رہے ہے صورت خاموش نقش پا

کس کی سنین ہین خاک نشینان راہ عشق
گوش اپنے کرہین اتنے کہ چون گوش نقش پا

دہشت ہے کبر اہل جہان سے یہ اب مجھے
اُفتادگی نہ ہووے فراموش نقش پا

کثرت سے کوئے یار مین گرمی ہے یہ کہ وہان
پڑتا ہے پا مین آبلہ از جوش نقش پا

گذرے وہ کیونکہ تنک ہے میری کہ تا ابد
چھوڑے قدم کو اُس کے نہ آغوش نقش پا

اُفتادگان تک آنکے کیا لینگے راہزن
جز خاک کچھ نہین ہے در آغوش نقش پا

اے شوخ ہر زدہ گردی نے تیری ہر ایک جا
خون جگر کیا ہے میرا نوش نقش پا

پابوس پر رقیب ہے ہشت ہے جی کہ وہان
کب ہے قبول خاطر پا پوش نقش پا

سودا بقول حضرت بیدل بگوئے دوست
خط جبین ماست ہم آغوش نقش پا

یہ غزل سودا کی بہتی تیسیر ذوق نے غزل کہی اور شاہ صاحب کو ناگوار گذرا ۔
ذوق کی غزل بہی سنئے ۔

[illegible] نقش پا
ہو خاک عاشقان نہ ہم آغوش نقش پا

افتادگان کو بے سر و سامان نہ جانیو
داماں خاک ہوتا ہے روپوش نقش پا

اعجاز پا سے تیرے عجب کیا کہ راہ مین
بول اُٹھے منہ سے ہر لب خاموش نقش پا

اس رہگذر مین کس کو ہوئی فرصت مقام
بیٹھے ہے نقش پا بہ سر دوش نقش پا

جسم نزار خاک نشینان کوے عشق
یون ہے زمین پہ جیسے تن و توش نقش پا

فیض برہنہ پائے مجنون سے دشت مین
سر تا بہ پا بنے ہے دُر گوش نقش پا

پا بوس در گہ تک اپنی تو خواب بہی
پہنچے نہ ذوق اُس کے بہ آغوش نقش پا

یہ سات شعر کی غزل تہی جسکو دیکہکر شاہ نصیر کا غصہ کا پارہ "بلڈ ہیٹ" تک پہنچ گیا انسان کی طبیعت ہر وقت اپنے قابو مین نہین ہوتی۔ شاید اُسوقت شاہصاحب کسی رنج مین ہونگے یا اُنکو اِس گستاخی کا ملال ہوگا جو شیخ مرحوم نے خلیفہ سے کی۔ یا شیخ مرحوم کی انانیت سے ناراض ہوگئے ہونگے یا آتش رشک اُسوقت مشتعل ہو گئی ہوگی بہر حال اِسوقت قطع تعلق ہوگیا۔ اور پھر مرتے دم تک اُستاد شاگرد مین مصالحت نہ ہوئی۔

جب شاہ نصیر نے غزل بغیر اصلاح کے پھیر دی تو شیخ مرحوم نہایت دلگیر ہو کر جامع مسجد تک آنکلے۔ آثار شریف مین فاتحہ پڑہی اور حوض پر آئے۔ وہان میر کلو حقیر بیٹھے تھے۔ اگرچہ میر صاحب قدیمانہ انداز کے بزرگوار تھے مگر نئے نئے باکمال شاعرون کو دیکھ کر پھولے نہ سماتے تھے۔ اور زمانہ کے سرد و گرم سے بخوبی واقف تھے۔ انہین مکدر دیکھ کر پاس بٹھلالیا۔ دست شفقت اُنکے سر پر پھیرا اور موجب ملال دریافت کیا۔ شیخ مرحوم نے آنکھون مین آنسو ڈبڈبا کر تمام حال کہہ سنایا میر کلو کو انپر رحم آیا۔ اور کہا بہلا ہمکو تو وہ غزل سُناؤ۔ شیخ مرحوم نے غزل سُنائی کہا جاؤ بے تامل غزل پڑھ دو۔ کوئی اعتراض کریگا۔ تو جواب ہمارا ذمہ۔ شیخ مرحوم کی خاطر جمع ہوئی۔ اور مشاعرہ مین غزل بے اصلاح پڑھدی۔ وہان بہت تعریف ہوئی۔ چنانچہ یہ پہلی بلا اصلاح غزل تہی جو شیخ مرحوم نے مشاعرہ مین پڑہی۔ اسدن سے جرأت ہوگئی ذہن کُھل گیا۔ اور بے اصلاح مشاعرہ مین غزل پڑھنے لگے رفتہ رفتہ اِنکی شہرت مشک ختن کی طرح مہک اُٹھی۔ اور طبیعت کی شوخی اور اشعار کی گرمی سننے سمجھنے والون کے دلون مین برقی اثر کا کام کیا۔ کلام کا مقبول ہونا بہی خداداد ہے تہوڑے ہی دنون مین اِنکے کلام کا شہرہ گھر گھر ہونے لگا۔ حتٰے کہ انکی عمر جبکہ

ارباب نشاط کی نہ باتون سے نکلکر کوچہ و بازار مین رنگ اوڑانے لگین۔

اِندنون اکبرشاہ بادشاہ تھے۔ اِنہین شعر وسخن کا مذاق نہ تھا۔ مگر مرزا ابوالظفر ولیعہد کہ بادشاہ ہوکر بہادرشاہ ہوئے شعر کے عاشق شیدا تھے۔ کلام الملوک ملوک الکلام کا مصداق انکا کلام تھا۔ ظفر تخلص سے ملک شعر کو تسخیر کیا تھا۔ چار دیوان کہکر ایوان شاعری کے چار ستون قایم کئے۔ چونکہ خود شاعر تھے شاعرون کے قدردان بھی تھے۔ ہر وقت دربار شاہی کے کہنہ مشق شاعر انہین کے پاس گھرے رہتے تھے۔ شب کو بزم سخن گرم ہوتی تہی۔ طرحی اور غیرطرحی غزلون سے ہر ایک شخص طبع آزمائی کرتا تھا۔ اور ولیعہد موصوف کو خوش کرتا تھا۔ یہ بہادرشاہ وہی بدقسمت شاہزادہ تھا۔ جس کے وقت مین ۱۸۵۷ء کا خوفناک ہنگامہ ہوا۔ اور جو حالت اسیری مین مفلوج ہوکر جان بحق تسلیم ہوا۔

شیخ مرحوم کو اشتیاق ہوا کہ کسی نہ کسی طرح ولیعہد کے دربار تک رسائی ہوجائے تو قوت فکر کو خوب بلند پروازی ہو۔ مگر ان دنون بغیر کسی امیر کی حمایت کے قلعہ مین جانے کی اجازت نہ تھی۔ ایکدن ایک دوست نے انہین کہا کہ آپ چشم بددور ہمہ صفت موصوف ہین کیون نہین کوشش کرکے ولیعہد کی صحبتون مین شامل ہوتے۔ شیخ مرحوم نے جواب مین یہ قطعہ پڑھا ؎

در میر و وزیر و سلطان را | بے وسیلہ گرد پیرامن
سگ و دربان چو یافتند غریب | این گریبان گرفت وآن دامن

اُس نے کہا میر کاظم حسین بیقرار آپ کے اُستاد بھائی ہین۔ اور ولیعہد کے ملازم خاص ہین۔ اُنہین کیون نہین کہتے۔ اگر وہ سلسلہ جنبانی کرین تو سب کام بہ آسانی طے ہو سکتے ہین۔ چنانچہ میر کاظم حسین کی مہربانی سے قلعہ تک رسائی ہوگئی اور ہمیشہ دربار ولیعہد مین جانے لگے۔

جب قسمت مین بہتری لکھی ہوتی ہے۔ تو سامان قدرت سے پیدا ہوجاتے ہین ؎

خُدا کے دین کا موسٰے سے پوچھیے احوال
کہ آگ لینے کو جائین پیغمبری ہو جائے

دکن مین دیوان چندو لعل کا دور تھا۔ دیوانصاحب اہل کمال کے قدردان اور سخاوت مین حاتم تھے۔ دِلّی والون پر خاص نظر پرورش رکھتے تھے اور بہت

مروّت سے پیش آتے تھے اور دلّی والون کی خوش نصیبی سے شعر و سخن کے عاشق شیدا تھے۔ شاہ نصیر مرحوم کہ ولیعہد کی غزل کو اصلاح دیا کرتے تھے دکن چلے گئے۔ انکی جگہ میر کاظم حسین بیقرار ولیعہد کی غزل بنانے لگے۔ انھین دنون مین سرجان الفنسٹن سفیر کابل مقرر ہوئے۔ انکو ایک میر منشی کی ضرورت ہوئی جو علاوہ عربی فارسی کی پوری لیاقت کے امارت خاندانی کا جوہر بھی رکھتا ہو۔ ولیعہد نے میر کاظم حسین کی سفارش کی اور وہ بھی چلے گئے۔ میر بیقرار کے جانے سے مطلع صاف ہوگیا۔ اور شیخ مرحوم کو خوب بن آئی۔ یون تو میر شناء اللہ خان فراق میر غالب علیخان سیّد۔ عبدالرحمن خان احسان۔ برہان الدین خان زار۔ حکیم قدرت اللہ خان قاسم۔ میان شکیبا۔ مرزا عظیم وغیرہ شعرائے عالی وقار موجود تھے مگر ازل سے یہ عزت شیخ مرحوم کی قسمت مین لکھی ہوئی تھی کہ بادشاہ دلّی کے اُستاد کہلائین۔

چندروز کے بعد ذوق جو ولیعہد کے ہان گئے تو دیکھا کہ مشق تیراندازی کر رہے ہین۔ انھین دیکھکر کہنے لگے واہ میان ابراہیم وہ اُستاد تو دکن چلے گئے۔ میر بیقرار میر منشی ہوگئے۔ باقی تم ہمارے مطلب کے تھے تم نے بھی ہمین چھوڑ دیا۔ شیخ مرحوم اس موقع کو غنیمت سمجھا اور کہا کہ بندہ جہان ہو وہین دعا کرتا ہے اور کریگا۔

ہمین رہبر کی کچھ پروا ہ ہمین صدقہ تصور کے
کہ آنکھین بند کین اور جہ پہنچ گئے جو چاہے

مثل مشہور ہے کہ خوشامد ہرکہ رانشنی خوش آمد۔ شیخ مرحوم سے اس افسون کو اچھی طرح استعمال کیا۔ چنانچہ ولیعہد نے جیب مین سے ایک غزل نکالکر دی اور کہا ذرا اسے اصلاح کر دینے جاتے۔ شیخ مرحوم وہین بیٹھ گئے اور غزل بنا کر سنائی ولیعہد بہادر غزل سنکر بہت خوش ہوئے اور کہا بھئی کبھی کبھی ہماری غزل آ کر بنا جایا کرو۔ اُسدن سے ولیعہد بہادر نے اُن کا مبلغ ۴ روپیہ مشاہرہ مقرر کر دیا یہ مبلغ ۴ روپیہ نہ تھے یہ ملک الشعرائی کے ایوان کے چار ستون تھے۔

چار روپیہ مہینہ منظور کرنا اگرچہ شیخ مرحوم کے لیے ہتک عزت تھی مگر اندنون ولیعہد بہادر کا بھی ہاتھ تنگ تھا۔ اکبر شاہ ممتاز محل کی خاطر سے شاہزادہ سلیم کو ولیعہد بنایا چاہتے تھے۔ اور کہتے تھے مرزا ابوالظفر ہمارے بیٹے ہی نہین

مقدمہ اسکا گورنمنٹ مین دایر تھا۔ ولیعہد کو بجاے پانچہزار کے فقط پانچسو روپیہ ماہوار ملتا تھا۔ کچھ تو اِس خیال سے کہ فی الحال پاؤن رکھنے کو جگہ ہونی چاہئے کھڑا ہونے کو بعد ازان جگہ ہوجایگی۔ یہ تنخواہ شکریہ کے ساتھ منظور کرلی۔ اور واقعی خوب کیا۔ شیخ محمد رمضان نے اکبرشاہ کے خوف سے جو اندنون مین ولیعہد کے سخت مخالف تھے۔ اکلوتے بیٹے کو اِس نوکری سے روکا۔ مگر انہون نے والد بزرگوار کے کہنے کو بھی منظور نہ کیا۔ اور کہا جب پہلے انگریز جو آج ہندوستان کے مالک ہین۔ اِس ملک مین آئے تھے۔ تو انکو سوداگرون کی حیثیت مین صرف تہوڑی سی زمین کوٹھی کے لیئے درکار تھی۔ تہوڑی سی زمین لیکر تمام ہندوستان کے بادشاہ ہوگئے۔ تہوڑی ہی سے بہت ہی ہوجاویگی۔ یہ سُنکر اُنکے والد نے کچھ زیادہ زور نہ دیا۔ چنانچہ شیخ مرحوم ولیعہد کے اُستاد ہوگئے۔

کئی سالکے بعد شاہ نصیر دکن سے پھرے اور دلی مین آکر اپنا معمولی شغل جاری کردیا۔ شاہصاحب نے دیکھا کہ یہان کا نقشہ ہی بدل گیا۔

مصرعہ۔ شد آن مرغ کو خایہ زرین نہاد۔ مرزا ابوالظفر اب ذوق کے شاگرد ہوچکے تھے۔ شیخ مرحوم نے اُنکو خوب ہاتھون پر ڈال لیا تھا۔ اب وہ شاہصاحب کو کیا خیال مین لاتے تھے۔ چنانچہ جب شاہصاحب دکن سے واپس پھرے تو مرزا ابوالظفر نے پھر اُنکو مُنہ نہ لگایا۔ یہ بات بھی شاہصاحب کو سخت گران گذری۔ ایکدن مشاعرہ مین شیخ مرحوم نے غزل پڑھی جسکا مطلع تھا۔

جس ہاتھ مین خاتم لعل کی ہے گر اُسمین زلف سرکش ہو
پھر زلف بنے وہ دست موسیٰ جسمین اخگر آتش ہو

مگر خدا جانے بسبب بیخبری کے یا سہواً شیخ مرحوم نے مطلع یون پڑھا۔

ہاتھ مین خاتم لعل کی ہے گر اُسمین زلف سرکش ہو
پھر زلف بنے وہ دست موسیٰ جسمین اخگر آتش ہو

شاہصاحب فوراً بولے بھئی میان ابراہیم مطلع تو خوب کہا۔ شیخ مرحوم بھی بڑے رمز شناس تھے فوراً تاڑ گئے۔ کہ کچھ سقم ہے۔ ساتھ ہی لفظ بھی سوجہا اور دوبارہ مطلع (جس) لگاکر پڑھ دیا۔ گویا عمداً یہ لفظ چھوڑ دیا تھا۔ پھر شاہصاحب کے شاگردون مین سے ایک نے اعتراض کیا کہ یہ بحر ناجائز ہے۔ شیخ مرحوم نے کہا۔

ناجایز کیون ہے۔ معترض نے کہا اسوجہ سے کہ کسی نے اس بحر میں غزل نہین کہی۔ شیخ مرحوم نے جواب دیا انیس [19] بحرین آسمان سے نہین اُتریں طبائع موزون نے وقتاً فوقتاً گل کھلائے ہین۔ یہ تقریر مقبول نہ ہوئی۔ مگر شیخ مرحوم کے حق بجانب ہونیمین کوئی کلام نہین۔ زمانہ ہمیشہ ایجاد واختراع کا مشتاق ہے۔ اور نئی بات کا پیدا کرنا تندرست عقل کا قدرتی میلان ہے۔ اگر شیخ مرحوم نے نیا بحر ایجاد کیا تو کیا گناہ کیا۔ اگر ابتدا سے لوگ ایک ہی بات پر قناعت کرتے تو ترقی کی راہ ہمیشہ کے لیے مسدود ہو جاتی۔

اسدن سے شیخ مرحوم نے سیر کُتب کا شغل اختیار کیا۔ حسن اتفاق سے راجہ صاحب رام نے جو املاک شاہ اودہ کے مختار تھے اپنے بیٹے کو کُتب علمی کی تحصیل تمام کرانے کے لیے مولوی عبد الرزاق کو مقرر کیا۔ اور مہربانی فرماکر ذوق مرحوم کو بھی اجازت دی کہ درس مین شریک رہین۔ چنانچہ اس طرح تحصیل علوم کا قدرتی سامان شیخ مرحوم کو مہیا ہو گیا۔

ایکدن مشاعرہ مین شیخ مرحوم نے غزل پڑہی۔ مطلع یہ تہا۔

نرگس کے پہول بہیجے ہین بٹوے مین ڈالکر
ایما یہ ہے کہ بہیجدے آنکہین نکال کر۔

شاہصاحب نے مسکرا کر کہا میان ابراہیم پہول بٹوے مین آپکے ہان رکھے جاتے ہونگے۔ یہ کہو ؎

نرگس کے بہیجے ہین ڈونے مین ڈال کر
ایما یہ ہے کہ بہیجدے آنکہین نکال کر

اُنہون نے کہا کہ ڈونے مین رکھتا ہوتا ہے ڈالنا نہین ہوتا۔ یون کہئے۔

بادام دو بہیجے ہین بٹوے مین ڈال کر
ایما یہ ہے کہ بہیجدے آنکہین نکالکر۔

ایکدفعہ بڑی دہوم دہام سے مشاعرہ ہوا۔ شاہصاحب نے مفصلہ ذیل طرحی غزل پڑہی۔ اسکا مطلع نہین ملتا۔

غزل

اے رشک اروان ساتھ تیرے آہ جگر گئی | عاشق کہین سینے ہی وعلم اُٹھ نہین سکتا

سقف فلک کہنہ مین کیا [illegible] لگاؤن
اے ضعف دل اس آہ کا تھم نہین سکتا

سر معرکۂ عشق مین آسان نہین جینا
گاڑے ہین جہان شمع قدم اٹھ نہین سکتا

ہے جنبش مژگان کا کسی کی جو تصور
دل سے خلش خار الم اٹھ نہین سکتا

دل پر سے میرے خیمۂ آبلۂ استاد
کیا کیجیے یہ لشکر غم اٹھ نہین سکتا

ہر جا متجلی ہے وہی پردۂ غفلت
اے معتکف دیر و حرم اٹھ نہین سکتا

پیچان اشک زمین پر ہین کہ منزل کو پہنچکر
جون قافلۂ ملک عدم اٹھ نہین سکتا

اس کے بعد شیخ مرحوم کے سامنے شمع آئی۔ تو انھون نے یہ غزل پڑھی۔

غزل

نکہت اسے خط مین کہ ستوا اٹھ نہین سکتا
پر ضعف سے ہاتھون مین قلم اٹھ نہین سکتا

بیمار تیرا صورت تصویر نہالی
کیا اٹھکے سر اپنا بخم اٹھ نہین سکتا

آتی ہے صدا سے جرس ناقۂ لیلی
پر حیف کہ مجنون کا قدم اٹھ نہین سکتا

چون دانۂ روئیدہ تہ خاک ہمارا
سر زیر گرانبار الم اٹھ نہین سکتا

ہر داغ معاصی مرا اس دامن تر سے
چون حرف سر کاغذ نم اٹھ نہین سکتا

اتنا ہون تری تیغ کا شرمندۂ احسان
سر میرا ترے سر کی قسم اٹھ نہین سکتا

پردہ در کعبہ سے اٹھانا تو ہے آسان
پردۂ رخسار صنم اٹھ نہین سکتا

کیون اتنا گرانبار ہے جو رخت سفر بھی
اے راہرو ملک عدم اٹھ نہین سکتا

دنیا کا زر و مال کیا جمع تو کیا ذوق
کچھ فایدہ بے دست کرم اٹھ نہین سکتا

دونون غزلین جو سرتاج سخن و بازار معانی و [illegible] دار العیار نکتہ دانی سے کہے روبرو پیش کی گئی ہین۔ اب اندازہ کرنا آپکا کام ہے کہ کس کو کس پر ترجیح ہے۔

شاہ صاحب نے دکن مین کسی کی فرمایش سے ۹ شعر کی غزل کہی تھی جس کی

ردیف تھی آتش و آب خاک و باد۔ وہ غزل مشاعرہ مین سُنائی۔ اور کہا اس طرح پر جو غزل کہے اسکو مین اُستاد مانتا ہون یہ چشمک شیخ مرحوم پر تھی جو ولیعہد کے اُستاد تھے۔ دوسرے مشاعرہ مین اُنہون نے اسپر غزل کہی اور چونکہ جشن قریب تھا شیخ مرحوم نے بادشاہ کی تعریف مین ایک قصیدہ بھی اسی طرح مین لکھا لیکن بنظر حفظ ماتقدم ولیعہد بہادر نے اپنے شقہ کے ساتھ مولوی شاہ عبدالعزیز کے پاس بھیجا۔ انہون نے پڑھنے کی اجازت دی اور جواب مین یہ شعر لکھا ؎

بو د بگفتۂ من حرف اعتراض چنان
کسے بدیدہ بینا فرو برد انگشت

شیخ مرحوم کا دل قوی ہوگیا۔ اور دربار شاہی مین جاکر قصیدہ سُنایا اسکے بڑے بڑے چرچے ہوئے۔ شاہ صاحب کے فریق نے اسپر اعتراض لکھے۔ شیخ مرحوم قصیدہ مشاعرہ مین لیگئے تاکہ مجمع عام مین فیصلہ ہو جائے۔ شاہ نصیر نے ایک مستعد طالبعلم کو کہ کتب تحصیل اُسے خوب روان تھین جلسہ مین پیش کیا۔ اور کہا کہ انہون نے اسپر کچھ اعتراض لکھے ہین سکتے ہین کہ شیخ علیہ الرحمتہ نے عرض کی کہ قبلہ آپ میرے اُستاد ہین۔ مین اپنے تئین اس قابل نہین سمجھتا کہ آپ کے اعتراضون کے لیے قابل خطاب بنون۔ اُنہون نے نہایت بے اعتنائی کے ساتھ جواب دیا کہ مجھے کچھ تعلق نہین انہون نے کچھ لکھا ہے۔ شیخ مرحوم نے کہا خیر مگر اسی وقت تک ہے کہ فاصلہ دوری درمیان ہو۔ جب آمنے سامنے موجود ہین تو تقریر ہونی چاہیئے۔ اسکے راوی مولوی آزاد ذوق کے شاگرد شیخ ہین۔ قصہ مختصر وہ طالبعلم شیخ مرحوم کے مقابل آبیٹھا۔ قصیدہ کا مطلع تھا۔

کوہ اور آندھی مین گر آتش و آب و خاک و بلو
آج نہ چل سکینگے پر آتش و آب و خاک و باد

معترض نے اعتراض کیا کہ سنگ مین آتش چلنے کا ثبوت چاہیئے۔ اُنہون نے کہا۔ کہ جب پہاڑ متحرک ہوگا تو آگ جو اسمین ہے اُسکے ساتھ متحرک ہوگی۔ معترض نے کہا سنگ مین آتش کا ثبوت چاہیئے۔ اُنہون نے کہا مشاہدہ۔ معترض نے کہا سنگ مین آتش کا ثبوت چاہیئے مگر کتابی سند درکار ہے۔ انہون نے کہا تاریخ سے ثابت ہے کہ ہوشنگ کے وقت مین آگ نکلی۔ معترض نے کہا سند

شعر مین مطلوب ہے۔ شیخ مرحوم نے شعر محسن تاثیر کا پڑہا ے

پیش از ظہور جلوۂ جانانہ سوختیم
آتش بسنگ بود کہ ما خانہ سوختیم

معترض نے کہا اردو زبان مین سند دو شیخ مرحوم نے سودا کا شعر پڑہا ے

ہر سنگ مین شرار ہے تیرے ظہور کا
موسے نہین کہ سیر کرون کوہ طور کا

میرے خیال مین یہ تمام بحث فضول تہی فقط "مگر" معترض کے اعتراض کا کافی جواب تھا۔ شیخ مرحوم نے یہ قضیہ قایم نہین کیا تہا۔ کہ سنگ مین آگ ہے۔ اُنہون نے بیان شرطیہ کیا تھا کہ اگر سنگ مین آگ ہو تو ایسا ہو گا۔ پھر ایک شعر پر اعتراض ہوا کہ اسمین ثبوت ردائی مفقود ہے۔ شیخ نے کہا یہان تغلیب ہے اسوقت خود شاہ صاحب بول اُٹھے کہ یہ تغلیب کہین نہین آئی۔ انہون نے کہا اسکا قاعدہ عام ہے۔ انہون نے کہا کسی اُستاد کے کلام مین ثابت کرو شیخ نے کہا آپ نے اشعر کی غزل پڑھکر فرمایا تھا کہ اس طرح مین کوئی غزل کہے تو ہم اُستاد جانین مین نے تو ایک غزل اور تین قصیدہ لکھے اب بہی اُستاد نہ ہوا۔

جب نوبت یہان تک پہنچی تو چند معززین نے جو وہان موجود تھے بہ مناسب سمجھا کہ جلسہ برخاست کیا جاوے۔ تاکہ کہین فساد نہ ہوجاوے۔

پھر شیخ مرحوم نے ایک قصیدہ اکبر شاہ کے دربار مین کہکر سنایا جسکے مختلف شعرون مین انواع واقسام کے صنایع و بدایع صرف کئے تھے۔ مطلع تھا ے

جبکہ سرطان و اسد مہر کا ٹھہرا مسکن
آب و ایلولہ ہوئے نشو و نمائے گلشن۔

اس قصیدہ کے عوض مین بادشاہ نے خاقانی ہند خطاب عطا کیا۔

منشی فیض پارسا دہلی کالج مین مدرس حساب تھے۔ اُن دنون جوانی کے عالم مین شاعری کے جوش و خروش مین بہی چور تھے۔ انہون نے مدرسہ مین بڑی دہوم دہام سے مشاعرہ قایم کیا اور اُسے اشاعت اردو کی ترقی کا

جسٹر واعظم ٹھاکر صاحب پرنسپل سے مدد لی۔ اندنون مین شہر کے دروازہ
۸ بجے بند ہو جاتے تھے۔ انھے گڈھد کپتان سے اجازت خاص حاصل کی کہ مشاعرہ کے
دن ۲ بجے تک اجمیری دروازہ جہان مدرسہ واقع تھا کھلا رہا کرے۔ غرض
مشاعرہ اس شان و شوکت سے قایم ہوا۔ کہ پھر ایسا کوئی مشاعرہ دلی مین
نہین ہوا۔ شہر بھر کے رؤسا اور نامی شعرا تشریف لایا کرتے تھے شاہ صاحب
اور شیخ صاحب کی آپسمین برابر چلی چلتی تھی۔ چنانچہ ایک مشاعرہ مین شاہ صاحب
نے غزل پڑھی قفس کی تیلیان خس کی تیلیان وغیرہ۔ دوسرے مشاعرہ
مین یہ ہی طرح ہو گئی۔ شیخ مرحوم نے دو غزلہ لکھا اسپر کچھ اعتراض ہوئے
اسپر شیخ مرحوم کو جوش آگیا۔ اور کہا کہ انشاءاللہ برس دن تک علاوہ طرحی
غزل کے ایک غزل اس زمین مین پڑھا کرونگا۔ جب تیسرے مشاعرہ مین
اس زمین مین شیخ صاحب نے غزل کہی تو شاہ صاحب کی طرف سے خوب
چوٹین ہوئین اور منیر مرحوم نے یہ شعر پڑھا ؎

گرچہ قندیل سخن کو منڈھ لیا تو کیا ہوا
ڈالنچ مین تو ہین وہی اگلے برس کی تیلیان

اسپر تکرار زیادہ ہو گئے اور مشاعرہ بند کر دیا گیا۔

جب ابو ظفر بادشاہ ہو کر بہادر شاہ ہوئے۔ تو ابتدا مین شیخ صاحب کی قدر
انکے کمال کے موافق نہ ہوئی۔ انکی تنخواہ مین صرف اسقدر ترقی ہوئی کہ بجائے
مبلغ للعہ روپیہ کے [illegible] روپیہ ماہوار ہو گئے۔ جب شیخ صاحب نے دیکھا کہ
یون امیدون کا خون ہو گیا تو یہ شعر پڑھکر خاموش ہو رہے ؎

یون پھرتے ہین اہل کمال آشفتہ حال افسوس ہے
اے کمال افسوس ہے تجھپر کمال افسوس ہے

مگر اسمین بہادر شاہ کا کچھ قصور نہین یہ ساری چالاکی مرزا مغل بیگ کی
تھی۔ ایکدن ایک دوست شیخ مرحوم سے ملنے آئے اور کہنے لگے افسوس ہے
حضرت ذوق۔ بادشاہ نے انصاف نہ کیا۔ ادنے ادنے اشخص مالامال ہو گئے
اور آپکا صرف [illegible] روپیہ مہینہ مقرر ہوا۔ شیخ مرحوم مسکرائے اور
یہ شعر حافظ کا جواب مین سنایا ؎

اسپ تازی شدہ مجروح بزیر پالان   طوق زرین ہمہ در گردن خر می بینم

مگر چند دن مین ہی مرزا مغل بیگ کی تر کی تمام ہو گئی۔ تمام کنبہ قلعہ سے نکالا گیا اور نواب حامد علی خان وزیر ہو گئے۔ پھر تو استاد شاہی کا سو روپیہ مہینہ مقرر ہوا علاوہ اس تنخواہ کے ہمیشہ عید اور نوروز کے جشنون مین قصیدہ مبارکباد کے پڑہتے تھے۔ اور خلعت سے اعزاز حاصل کرتے تھے۔

ایکدفعہ بادشاہ سخت بیمار ہو گئے۔ اور جب شفا پائی تو شیخ مرحوم نے ایک قصیدہ کہکر نذر گذرانا۔ بادشاہ نے علاوہ خلعت کے ایک ہاتھی انعام مین دیا۔ اور خطاب خاقانی ہند بخشا۔ قصیدہ واقعی اپنا نظیر آپ ہے جسکا ہر ایک شعر رنگین اور برجستہ ہے۔ مطلع یہ ہے۔

زہے نشاط کہ گر کیجیے اُسے تحریر
عیان ہو خامہ سے تحریر نغمہ جائے صریر

اِسی قصیدہ مین ایک شعر ہے جسکو سنکر بے اختیار سبحان اللہ کہنا پڑتا ہے وہ شعر یہ ہے ؎

ہوا پہ دوڑتا ہے اس طرح سے ابر سیاہ
کہ جیسے جائے کوئی فیل مست بے زنجیر

پھر آگے فرماتے ہین۔

ہوا ہے مدرسہ بھی درسگاہ عیش و نشاط
کہ شمس بازغہ کی جا پڑہین ہین بدر منیر
اگر پیالہ ہے صغرا تو ہے سبو کبرا
نتیجہ یہ ہے کہ سرمست ہین صغیر و کبیر

واہ منطق کی اصطلاحون کو کس کس خوش اسلوبی سے نباہا ہے۔ بادشاہ نے غسل صحت کے جشن کے متعلق دربار زینت محل کے مکان مین کیا تہا اور وہین یہ قصیدہ سُنا تہا۔

چونکہ شیخ مرحوم دن رات اِسی شغل مین مصروف رہتے تھے انکی مشق نے انہین پرلے درجہ کا حاضر جواب اور بدیہہ گو بنا دیا تھا۔

روایت ہے کہ برسات کا موسم تہا۔ مرزا فخرو بادشاہ کے صاحبزادے چاندنی رات مین تالاب کے کنارہ کھڑے ہوئے تھے انکی زبان سے یہ مصرعہ نکلا۔ ؎ چاندنی دیکھے اگر وہ مہ جبین تالاب پر ؞

انہین کہا اُستادِ اسپر مصرعہ لگائیے گا۔ انہون نے فوراً کہا ؎

چاندنی دیکھے اگر وہ مہ جبین تالاب پر
تاب عکسِ رُخ سے پانی پھیر دے مہتاب پر

ایکدن نواب حامد علیخان نے آتش کا مطلع پڑھا ؎

جانور جو تیرے صدقہ مین رہا ہوتا ہے
اے شہ حُسن وہ چھٹتے ہی ہما ہوتا ہے

شیخ مرحوم بول اُٹھے صدقہ مین زیادہ کوّا چھوڑوا تے ہین اسلئے زیادہ تر مناسب ہے کہ یون کہا جاوے ؎

زاغ بھی گر تیرے صدقہ مین رہا ہوتا ہے
اے شہِ حُسن وہ چھٹتے ہی ہما ہوتا ہے

راقم نے ایکدفعہ ایک نعتیہ غزل کہی تھی۔ اسمین بھی یہ مضمون توارد ہو گیا ہے وہ شعر یہ ہے ؎

مین سایہ نشین صاحب لولاک لما ہون
کوّا بھی اگر صدقہ مین رہا ہو تو ہما ہو

اِسی نعت مین ایک اور شعر ہے جو بسبب نئے مضمون کے قابل اندراج ہے ؎

اللہ کرے بندہ بھی ہو پابند ثنائے شیخ
یہ طایر جان مرغ حرم ہو تو مزا ہو

ایک دفعہ قلعہ شاہی مین مشاعرہ تھا۔ حکیم آغا جان عیش نے ایک شعر اپنی غزل مین پڑھا ؎

اے شمع صبح ہوتی ہے روتی ہے کسلئے
تھوڑی سی رہگئی ہے اِسے بھی گذار دے

شیخ مرحوم نے فوراً اِس مضمون کو اِس پیرایہ مین بیان کیا ؎

اے شمع تیری عمر طبعی ہے ایک رات
رو کر گذار یا اسے ہنسکر گذار دے

مگر حکیم آغا جان عیش کے شعر مین نزاکت زیادہ ہے۔ میری رائے مین اُسی کو ترجیح ہے۔

ایک شخص نے آکر کہا کہ میرے دوست کا نام غلام علی ہے اور باپ کا نام غلام محمد ہے۔ براہ مہربانی کوئی ایسا سجع کہدیں کہ جسمین دونون نام آجائیں آپ نے فوراً ایک پرزہ کاغذ پر لکھدیا۔

پدر غلام محمدؐ پسر غلام علیؑ

ایک معمولی دربار تھا ایک مرشدزادہ فوراً آگئے اور فوراً چلے گئے۔ کسی نے عرض کی۔ صاحب عالم اسقدر جلدی۔ صاحب عالم کی زبان سے نکلا

اپنی خوشی نہ آئے نہ اپنی خوشی چلے

شیخ مرحوم نے فوراً کہا ؎

لائی حیات آئے قضا لیچلی چلے
اپنی خوشی نہ آئے نہ اپنی خوشی چلے

میر محمد خان اعظم الدولہ نے جنکا تخلص سرور تھا ایک تذکرہ شعرائے اردو کا لکھا۔ اتفاقاً شیخ مرحوم انکے مکان پر جا نکلے۔ انہون نے تاریخ کی فرمائش کی انکے منہ سے فوراً نکلا۔ ریاض اعظم۔ حساب کیا تو عدد برابر نکلے۔

شاہ نصیر کے ہان سال بسال عرس ہوا کرتا تھا۔ اسمین فاتحہ کے بعد کھچڑی کھلایا کرتے تھے۔ حسب معمول ذوق بھی گئے۔ فاتحہ کے بعد کھانا کھانے بیٹھے تو شاہصاحب ایک ہاتھ میں چمچہ اور دوسرے ہاتھ مین بادیہ لئے ہوئے آئے اسمین وہی کھانا خاص خاص اشخاص کے سامنے ڈالتے آتے تھے انکے سامنے آکھڑے ہوئے۔ چمچہ بھرا۔ انہین ریزش کے باعث پرہیز تھا پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ شاہصاحب نے کہا سنکھیا ہے سنکھیا۔ دیکھو کھاؤگے تو مرجاؤگے شیخ مرحوم نے ہنس دیا اور کہا۔ ؎

بھلا تم زہر دو دیکھو اثر ہو جسے تو مین جانون

اگرچہ یہ مصرعہ قدیمی میان مجنون کا ہے۔ مگر حاضر جوابی کے لحاظ سے سب کو لطف آیا۔

مولوی محمد حسین آزاد کے والد بزرگوار نے بہ نیت وقف امامباڑہ تعمیر کیا شیخ مرحوم سے تاریخ کی فرمائش کی انہون نے فوراً کہا۔ تعزیت گاہ امام ازین سب کو حیرت ہوئی۔

حکیم میر فیض علی مرانکے استاد بھی تھے۔ اور شیخ مرحوم انہی کا علاج کیا

کرتے تھے۔ ایک دن مولوی آزاد موجود تھے کہ نوکر نے اطلاع دی کہ آج میر صاحب کا انتقال ہوا۔ شیخ مرحوم کو بہت قلق اور اضطراب ہوا کہ آنکھ کھٹکنے لگے۔ پھر تھوڑی دیر تامل کرکے دفعتہً بولے "ہائے میر غضنفر علی" مولوی آزاد نے حساب کیا تو تاریخ کے عدد برابر تھے۔

جیسی مرزا مغل بیگ کی وزارت کے زمانہ میں شیخ مرحوم کی بیقدری تھی ویسی ہی بعد ازان قدر ہو گئی۔ رفتہ رفتہ بادشاہ نے انہیں دلی راز دولت کے لئے مخزن اعتبار بنا لیا اور دنیاوی دولت سے بھی مالا مال کر دیا۔ جب شیخ مرحوم نے یہ قصیدہ کہکر جسکا مطلع ہے سه

شب کو مین اپنے سر بستر خواب راحت
نشہ علم مین سرمست غرور نخوت

پیش کیا تو ایک گاؤن جاگیر مین عطا ہوا۔

شیخ صاحب کے بہت سے شاگرد ہوئے ہیں۔ کئی اب بھی زندہ ہیں جو انکی شاگردی کا فخر کرتے ہیں۔ انکے شاگردوں کی پوری فہرست لکھنی فضول سمجھتا ہون۔ اسلئے چند مشہور نامون پر ہی اکتفا کرتا ہون۔

۱۔ مرزا ابو الظفر بادشاہ دہلی ہو کر بہادر شاہ ہوئے۔ شعر کے عاشق شیدا تھے۔ اور چار دیوانوں کے مالک تھے۔ انکے دیوانون میں ہر رنگ کے اشعار موجود ہیں۔ جب انکے کلیات کو کھولو تو مضامین عاشقانہ اور تصوف دونون نظر پڑتے ہیں اور رنگا رنگ کے زمزمہ اور بوقلمون آوازین آتی ہیں۔ انکے کلام کو جب اٹھاؤ۔ تو پھر چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا۔ اور گھنٹوں مطالعہ کرو پر دل نہیں اکتاتا۔

افسوس ہے مرزا ابو الظفر کا انجام بخیر نہ ہوا۔ جس ذلت اور رسوائی سے انہیں دلی چھوڑنی پڑی خدا وہ ذلت دشمن کو بھی نصیب نہ کرے۔

نکلنا خلد سے آدم کا سنتے آئے تھے لیکن
بہت بے آبرو ہو کر ترے کوچے سے ہم نکلے

چنانچہ انہوں نے خود حالت قلق و اضطراب مین جو غزل کہی اس کو پڑھکر بے اختیار آنکھوں سے آنسو نکل پڑتے ہیں۔ اس غزل کا مطلع ہے سه

گئی یک بیک جو ہوا پلٹ نہیں دل کو میرے قرار ہے
کروں غم ستم کا میں کیا بیاں میرا سینہ غم سے فگار ہے

روایت ہے کہ جب دلی فتح ہو گئی۔ اور انگریزی فوج ہاغیونکا قلع وقمع کرتی ہوئی شہر میں داخل ہو گئی۔ تو کسی نے دوڑ کر کہا کہ بادشاہ سلامت کس خواب خرگوش میں مبتلا ہو۔ سپاہی دروازہ پر آگئے۔ کچھ جان بچانے کی فکر بھی کرو۔ مگر بادشاہ سلامت بھی بہادر شاہ تھے۔ اپنی جگہ سے حرکت تک نہ کی۔ حتی کہ گرفتار ہوئے۔ کسی نے پوچھا کہ آپ بھاگ کیوں نہ گئے تو نہایت متانت سے جواب دیا۔ بھاگتا کیسے جوتی پہنانے والا ملازم موجود نہ تھا۔ آپکی صلاح تھی کہ خود اٹھ جوتی کو لگاتا۔ جان جاتے تو جائے وضع میں فرق نہ آتے۔ مال صدقہ جان ہے اور جان آبرو پر قربان ہے۔ پھر حالت قید میں اسی شخص نے پوچھا اب کیا حال ہے۔ تو حالت یاس میں اُس کی طرف دیکھا۔ اور کچھ جواب نہ دیا۔ مگر نگاہ زبان حال سے یہ شعر پڑھ رہی تھی ؎

دستگیری کر رہی ہے ہتھکڑی
پاؤں میرے میں پڑی زنجیر ہے۔

آخر کار قید ہو کر رنگون بھیجے گئے۔ اور مفلوج ہو کر جان بحق تسلیم ہوئے۔

۲۔ شمس العلماء مولوی محمد حسین آزاد۔ یہ صاحب کمال وہ شخص ہے کہ اگر شیخ مرحوم زندہ ہوتے تو واقعی فخر کرتے۔ اور نازان ہوتے کہ اُنکے شاگردوں کی فہرست میں ایسے لایق اور فاضل شخص کا نام موجود ہے۔ انکی تصنیفات سے پنجاب اور ہندوستان میں بچہ بچہ واقف ہے۔ آپ ابتداء میں پروفیسر عربی و فارسی گورنمنٹ کالج میں تھے۔ اب پنشنی ہیں۔ انہوں نے سرکار دولت مدار کی بہت سی عمدہ عمدہ خدمات کی ہیں۔ چنانچہ پنڈت منپھول۔ سی۔ ایس۔ آئی کے ہمراہ ایران میں سفارت کے ساتھ گئے تھے۔ انکے مخالف اعتراض کرتے تھے کہ مولوی صاحب کو عربی کی اچھی استعداد نہیں۔ مگر راقم نے گورنمنٹ کالج میں اُن سے پڑھا ہے۔ اور کبھی کسی قسم کی رکاوٹ یا دقت پیش نہیں آئی۔

میری رائے میں ہزاروں جیسے وہ لکھتے ہیں۔ ہندوستان بھر میں

کوئی نہین لکھتا۔ اُنکے لیئے ظہوری ہند۔ کا خطاب بجائے شمس العلمائے کے بہت موزون تھا۔ آپکی مشہور تصنیفات مفصلہ ذیل ہین۔

آبحیات۔ یہ مشاہیر شعرائے اردو کی سوانح عمری ہے۔ اور اسمین زبان اردو کی عہد بعہد کی ترقیون اور اصلاحون کا بیان ہے۔ یہ کتاب کئی بار چھپ چکی ہے۔ اور بہت مقبول ہوئی ہے۔ سُنا ہے کہ دکن مین کسی نے اسکا جواب لکھا ہے۔ شاید کسی شاعر کا ذکر مولوی صاحب نے نہ کیا ہوگا۔ جسکے باعث اُس نے جلے دل کے پھپھولے پھوڑے ہونگے۔

نیرنگ خیال۔ یہ اردو انشا کی اعلے درجہ کی کتاب ہے۔ اسمین اعلے اعلے مضامین پر بحث کی ہے۔ اور بقائے دوام کا دربار تو قابل پڑہنے کے ہے۔

قصص ہند حصہ دوم۔ اسمین صرف مسلمانون کا زمانہ ہے واقعی اسکی عبارت پر فصاحت و بلاغت قربان ہوتی ہیں۔

جامع القواعد۔ یہ ایک اردو قواعد کی کتاب ہے۔

فارسی کی پہلی ۔ } ان کتابون سے ظاہر ہوتا ہے کہ مصنف فارسی زبان
ایضاً دوسری } پر ایسا قادر ہے کہ گویا خاص ایران کا رہنے والا ہے

اب مولوی صاحب کا ارادہ تھا کہ دربار اکبری (جو لکھہ چکے تھے) چھپوا دیا جاوے۔ مگر دل کی دل ہی مین رہی۔ حادثات زمانہ سے کوئی دماغی مرض لاحق ہوگیا ہے۔ جس سے لکھنے پڑھنے کے کام کے نہین ہے۔ خدا انہین صحت بخشے انکا دم غنیمت ہے۔

بعض لوگ کہتے ہین۔ کہ مولوی آزاد۔ نثر کے میدان مین تو شہسوار ہین۔ مگر انکی نظم اعلے درجہ کی نہین۔ اس بات سے مجھے اتفاق نہین۔ انکی چند مثنویان اور مسدس میری نگاہون سے گذرے ہین۔ انمین اعلے درجہ کی بلند پروازی جسی الفاظ اور بندش محاورہ موجود ہے۔ انکی نظم "نا کی محبت" مین جو انہون نے "وہ کا ویر" کے خیالات ادل بدل کر لکھی ہے اور دوسری نظم "ابر کرم" دونون بے نظیر ہین۔

۳۔ نواب الٰہی بخش خان معروف۔ ایک عالی خاندان امیر اور علوم ضروری سے باخبر تھے۔ شاعری مین آپ نے فنا فی الشعر کا مرتبہ حاصل کیا۔ انکے بزرگ سلاطین چغتائیہ کے آخر عہد مین دلّی مین آکر اُمرائے نامی مین

داخل ہوے - یہ تین بہائی تھے - نواب نبی بخش خان - نواب الہی بخش خان - اور نواب احمد بخش خان - نواب احمد بخش خان بہادر کے پوتے نواب سر علاؤالدین خان کے - سی - ایس - آئی - نواب لوہارو تھے - جنکے دوسرے صاحبزادہ مرزا نصیر الدین امرتسر مین کچھ عرصہ اسسٹنٹ کمشنر بہی رہے - نواب الہی بخش خان معروف کا دیوان المشہور بہ دیوان معروف - اب تک رائج ہے - شیخ مرحوم کا قول ہے - کہ نواب معروف - کی غزل بناتے ہم خود بنگئے -

تسبیح زمرد - جو ۱۰۱ اشعار کا سلسلہ ردیف وار ہے اور کوئی مطلع سبزی کے مضمون سے خالی نہین نواب صاحب مغفور کا ہی کہا ہوا ہے - مولوی آزاد بیان کرتے ہین - کہ ایکدن شیخ مرحوم اپنے گھر کے قریب ایک مسجد مین بیٹھ کر وظیفہ پڑھ رہے تھے - کہ سامنے سے ایک چوبدار آیا - اور کچھ چیز رومال مین لپیٹی ہوئی شیخ مرحوم کے سامنے رکھ کر الگ بیٹھ گیا - شیخ مرحوم نے وظیفہ سے فارغ ہوکر اُسے دیکھا - تو اسمین ایک خوشہ انگور تھا - ساتھ ہی چوبدار نے کہا کہ نواب صاحب نے دعا فرمائی ہے - یہ تبرک بہیجا ہے - اور فرمایا ہے کہ آپ کا کلام آپ کی زبان سے سننے کو جی چاہتا ہے - شیخ مرحوم نے وعدہ کیا اور تشریف لیگئے - بعد معمولی علیک سلیک انہون نے شعر کی فرمائش کی - تو شیخ مرحوم نے یہ مطلع پڑہا ؎

نگہ کا وار تھا دلپر پھڑکنے جان لگی
چلی تھی برچھی کسی پر کسی کے آن لگی

سنکر بہت خوش ہوئے اور اسی دن شاگرد ہوگئے -

۴ - حافظ ویران حافظ غلام رسول ویران - نابینا تھے - مگر خدا نے انکی بصیرت کی آنکھین ایسی روشن کی تہین - کہ بصارت کی آنکھونکے محتاج نہین تھے - انکو شیخ مرحوم کا بہت سا کلام ازبر تھا - جب شیخ مرحوم کے مسودونکا سرمایۂ دلی کے ساتھ ہوا تو حافظ موصوف کی کوشش سے مجموعہ غزلیات ذوق ۱۲۷۹ھ مین چھپکر شایع ہوا - اب حالمین مولوی آزاد نے بہی دیوان ذوق نیا چھپوایا تھا - مولوی آزاد کی اڈیشن کی نسبت ایک صاحب کہنے لگے کہ اسمین انہون نے بہت سی اپنی غزلین ملادی ہین - چنانچہ وہ کہنے لگا کہ مین اُنکے کتب خانہ مین جو اکبری دروازہ کے باہر بنوایا تھا جایا کرتا تھا

اور اکثر دیکھا کرتا تھا کہ مولوی صاحب طبیعت سے اشعار گھڑ گھڑ کر نا تمام غزلون مین شامل کر دیتے تھے۔ دروغ بر گردن راوی یہ بات قرین قیاس نہین ۔؎

در ہر دہن ننگ نبات دگر است

مولوی آزاد کا انداز اور ہے ۔ اور شیخ مرحوم کا اور تھا۔

۵ - نواب مرزا داغ - آجکل نواب حیدر آباد کے اُستاد ہین بہت مدت تک رامپور رہے ۔ اِنکے چار دیوان چھپ چکے ہین ۔ پہلے دیوان کا نام گلزار داغ ۔ ہے اور چوتھے دیوان کا ۔ مہتاب داغ ہے ۔ شیخ مرحوم کے دیوان کا پہلا شعر ہے ؎

ہوا محمد خدا مین دل جو مصروف رقم میرا
الف الحمد کا سا بنگیا گویا قلم میرا

گلزار داغ مین بھی پہلی غزل اسی زمین مین ہے ۔ اُسکا پہلا شعر ہے ؎

عدد نے موسوی فن دیکھے اعجاز رقم میرا
عصائے موسوی ہے حمد خالق مین قلم میرا

اسی غزل مین شیخ مرحوم کا شعر ہے ؎

دم شمشیر قاتل پر بھی خون جاتا ہے جم میرا
صراط عشق پر از بسکہ ہے ثابت قدم میرا

اور اسی قافیہ کو داغ نے اس طرح باندھا ہے ؎

سلامت منزل مقصود تک اللہ پہنچا دے
مجھے آنکھین دکھاتا ہے ہر اک نقش قدم میرا

جیسے مومن کو تخلص عجیب ہاتھ آگیا تھا ۔ ویسا ہی داغ کو تخلص ملگیا ہے جس نے اُنکے بہت سے مقطع سجا دئیے ہین ۔ ایک مقطع یاد ہے ؎

تجھے ہنسکر لگے کہنے تمھین کو داغ کہتے ہین
تمھین رہتے ہو لالہ مین تمھین ہو ماہ کامل مین

سنتے ہین حالمین انکو نظام حیدر آباد نے ایک غزل کے لئے پانچہزار روپیہ انعام دیا ۔ اور ایک قطعہ تاریخ کے عوض مین طلائی گھڑی بخشی ہے۔

جناب قاضی نذر حسین صاحب وکیل و رئیس بجنور کی زبانی معلوم ہوا کہ شیخ مرحوم کے شاگردون مین سے ایک خاص شاگرد مولوی مذاق صاحب بدایونی ہین جنکا

تخلص شیخ مرحوم نے اپنے تخلص کے مشابہ مقرر کیا تھا۔ انکا پایہ کلام مین اپنے مشہور استاد کے ہم پلہ ہے اور فصاحت اور خوبی مین بے نظیر ہے۔ مگر چونکہ مولوی مذاق صاحب کا رحجان تصوف اور درویشی کیطرف ہو گیا۔ اسواسطے اُنہون نے مروجہ مضامین مین غزل سرائی ترک کر دی۔ اور اپنے کلام کو صرف نعت گوئی پر محدود کر لیا۔ اُنکی شاعری کا مرتبہ نعت گوئی مین بھی ویسا ہی اعلے رہا۔ جیسا کہ وہ فی الحقیقت تھا۔ اور نعتیہ کلام شمالی ہند مین عموماً مشہور ہے۔ اور وہ دیگر شعرا کے مروجہ نعتیہ کلام سے کہین بڑھکر اپنے درجہ پر شمار کیا جاتا ہے۔ مولویصاحب موصوف کی شہرت شاعری سے بھی زیادہ درویشی مین ہے۔ اور بہت خلایق اُنکی مرید ہے اور وہ اپنے ملک مین ایک نامی شیخ اور بزرگ ہین۔ نوابصاحب والئی جامدہ بھی مولوی مذاق صاحب سے بیعت ہین۔ شیخ مرحوم کے روبرو جب مولویصاحب موصوف بھی مروجہ شاعری سے شوق رکھتے تھے ایک دلچسپ معاملہ وقوع مین آیا۔ شیخ مرحوم کی ایک مشہور غزل ہے۔ جو عمدگی مین اپنا جواب نہین رکھتی جسکا مطلع یہ ہے ؎

ہے کان اُسکے زلف معنبر لگی ہوئی
رکھے گی یہ ثریا برابر لگی ہوئی +

اسی غزل کا ایک لطیف شعر یہ بھی ہے ؎

لاؤ تو قتل نامہ ذرا مین بھی دیکھ لون
کس کس کی مہر ہے سر محضر لگی ہوئی

مولوی مذاق صاحب نے بھی اسپر ایک عمدہ غزل لکھی اور اُسکے اسی شعر مین محضر کے مضمون کو یون ادا کیا ہے ؎

اللہ رے شوق قتل کہ اپنے ہی ہاتھ سے
اپنی ہی مہر ہے سر محضر لگی ہوئی۔

شیخ مرحوم کے سامنے جب یہ غزل پڑھی گئی اور اس شعر کی نوبت آئی تو شیخ مرحوم نے اِس شعر پر وجد کیا اور اُٹھکر مولوی مذاق کو سینہ سے لگا لیا۔ اور یہ کہا کہ اسی ایک شعر کے معاوضہ مین اپنے سارے کلام کو بیلذت خیال کرتا ہون۔

شیخ مرحوم کے اور بہت سے شاگرد ہوئے ہین اور ہین جنکا ذکر اس کتاب مین کرنا بیفایدہ طول دینا ہے۔

شیخ مرحوم کا چال چلن بہ حالت مجموعی بہت اچھا تھا۔ اُس وقت کے لحاظ سے بہت عیبوں سے بچے ہوئے تھے۔ مگر پھر بھی فرشتہ نہ تھے بشر تھے۔ اور بشریت سے کوئی شخص خالی نہیں ہے چنانچہ ایک غزل میں کہتے ہیں ؎

زاہد شراب پینے سے کافر ہوا میں کیون؟
کیا ڈیڑھ چلو پانی سے ایمان بہ گیا؟

مگر ۳۶ برس کی عمر تھی جبکہ جملہ منہیات سے توبہ کی۔ اور اُس کی تاریخ کہی۔

اے ذوق بگو سہ بار توبہ

سنہ ۱۲۷۱ھ میں انہیں مرض موت نے آ دبایا۔ بہت سے ہاتھ پاؤن مارے جیّد طبیب اور حاذق حکیم بلوائے۔ مگر پیش نہ گئی۔ آخر ۶۸ برس کی عمر میں ۲۴ صفر کی رات ۱۷ دن بیمار رہکر اِس دنیائے فانی سے عالم جاودانی کو سفر کر گئے۔ مرنے سے تین گھنٹہ پہلے یہ شعر کہا ؎

کہتے ہیں آج ذوق جہاں سے گذر گیا
کیا خوب آدمی تھا خدا مغفرت کرے

"اردو اخبار" میں جو اندنون دلی کا چلتا پرزہ تھا۔ سال بھر تک ہر ہفتہ اُنکی وفات کی تاریخیں چھپتی رہیں۔

چوتھی فصل
تصنیف پر رائے

مولوی آزاد لکھتے ہین کہ جو غزلین شیخ مرحوم نے اپنے تخلص سے کہین اگر جمع کیجاتین تو بادشاہ کے چارون دیوانونکے برابر ہوتین - یہ بات بیشک درست معلوم ہوتی ہے - انہون نے کثرت مشق ہی فنا فی الشعر کا رتبہ حاصل کیا تھا - انکا دن رات یہی شغل تھا - اور اس شعر کی خاطر انہون نے دنیاوی لذتین موسمون کی بہارین - بدن کے آرام - دل کی آسائشین طبیعت کی امنگین سب کچھ چھوڑا - پس یہ ہرگز ممکن نہین کہ اس محنت کے بعد ایک مختصر سا دیوان اُن کی تصنیف ہو - اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے - کہ اُن کا کلام کہان گیاہے - اسکا جواب ایک مصیبت کا افسانہ ہے - جس کی مرثیہ خوانی آزاد نے اِن الفاظون مین کی ہے - کہ "وہ انکی وفات کے چند روز بعد مین نے اور خلیفہ اسمعیل مرحوم نے چاہا کلام کو ترتیب دین - چنانچہ مین نے انکی اپنی غزلین اور قصاید انتخاب کرلئے - یہ کام کئی مہینون مین ختم ہوا - غرض پہلے غزلین صاف کرنی شروع کین - اِس خطا کا مجھے اقرار ہے - کہ کام کو مین نے جاری کیا - مگر اطمینان کے ساتھ کیا - مجھے کیا معلوم تھا - کہ اس طرح یکایک زمانہ کا ورق الٹ جائیگا - عالم تہ و بالا ہو جائیگا - حسرتونکے خون بہ جائینگے - دل کے ارمان ہی مین رہ جائینگے دفعتہ ۱۸۵۷ء کا غدر ہوگیا - کسی کا کسی کو ہوش نہ رہا - چنانچہ افسوس ہے کہ خلیفہ محمد اسمعیل اُنکے فرزند جسمانی کے ساتھ ہی اُنکے فرزندان روحانی بھی دنیا سے رحلت کرگئے"

جو کچھ اُنکا کلام موجود ہے اُسمین غزلین تازگئے مضمون - صفائی کلام

چستیِ ترکیب - خوبیٔ محاورہ اور عام فہمی کے لحاظ سے بہت عمدہ ہین - مگر انہین میر تقی کی سادگی - عبارت اور صفائی نہین ہے - اسلئے میدان غزل مین اُنکا رتبہ اصول غزلیت کے لحاظ سے میر علیہ الرحمتہ سے کم ہے - میر کا انداز ہی نرالا ہے - انہون نے عجیب صنعت سے گھریلو زبان کو متانت کا رنگ دیکر محفل کے قابل بنایا ہے - شیخ مرحوم خود کہتے ہین ؎

نہ ہوا پر نہ ہوا میر کا انداز نصیب
ذوقؔ یارون نے بہت زور غزل مین مارا

شیخ مرحوم نے جرأت کے انداز کی تقلید کرنی چاہی مگر اُسمین انہین کامیابی حاصل نہین ہوئی - سبب اسکا یہ ہے - کہ شیخ مرحوم کا انداز مختلف اوقات مین مختلف رنگ پر ہے - اپنے دیوان مین کبھی تو وہ اہل تصوف کا انداز اختیار کرکے سنجیدہ اشعار سُناتے ہین - اور عاشقانہ شوخی اور بانکپن کا لہراو دکھاتے ہین - میان جرأت نے میر علیہ الرحمتہ کے طرز تقی کو لیا - اور اُس کی فصاحت اور سادگی پر شوخی اور بانکپنی کا انداز ایسا بڑھایا کہ جس سے پسند عام نے شہرت دوام کا فرمان دیا - غزل گوئی مین کمال حاصل کرنے کے لئے حریف - ظریف - خوش طبع - عاشق مزاج ہونا ضروری ہے - یہ تمام صفتین جرأت مرحوم مین موجود تھین - مگر شیخ مرحوم مین نہ تھین - اسلئے اُنکا رتبہ غزلون کے لحاظ سے بقائے دوام کے دربار مین جرأت سے کمتر ہے - مفصلہ ذیل اشعار ملاحظہ کیجئے :-

میر

برقع کو اُٹھا چہرہ سے وہ بُت اگر آئے　　اللہ کی قدرت کا تماشا نظر آئے

سودا

اِس دل کی تف آہ سے کب شعلہ بر آئے　　بجلی کو دم سرد سے جس کے حذر آئے

مصحفی

ہرگز نہ مراد دل معشوق بر آئے
یارب نہ شب وصل ٹمے پیچھے سحر آئے

جرأت

اُس پردہ نشین سے کوئی کس طرح بر آئے
جو خواب مین بھی آئے تو مُنہ ڈہانک کر آئے

ذوق

ناقص کا صفا کیش سے مطلب نہ بر آئے
جو کور ہو عینک سے اُسے کیا نظر آئے
فردوس مین ذکر اُس لب شیرین کا گر آئے
پانی دہن چشمۂ کوثر مین بھر آئے

اِن اشعار کے مقابلہ مین اصول غزلیّت مدنظر رکھنا چاہئے۔ غزل کا زیور سادگی فصاحت اور صفائی ہے اور مطالب کی دقت۔ مضامین کی بلند پروازی۔ بندش کی چستی۔ الفاظ کی شان شکوہ لازمہ قصایدٗ کا ہے۔

شیخ مرحوم کے قصایدٗ لاثانی ہین۔ سخن کے پرکھنے والون پر روشن ہے کہ غزل اور قصیدہ کے دو میدانون مین زمین اور آسمان دِن اور رات کا فرق ہے مضامین کی بلند پروازی۔ الفاظ کی شان وشکوہ قصایدٗ کے لئے ضروری ہے اوّل قصایدٗ کا کہنا اور پھر اس دہوم دہام سے اعلےٰ درجۂ فصاحت و بلاغت پر پہنچانا پہلا فخر مرزا رفیع سودا۔ کا ہے۔ وہ اِس میدان مین کلام کے زور و شور مین انوری اور خاقانی۔ اور نزاکت مضمون مین عرفی اور ظہوری جیسے سوارون کے ساتھ عنان در عنان ہی نہین گئے بلکہ اکثر میدانون مین آگے نکل گئے ہین سودا کے بعد میر انشاء اللہ خان انشا نے قصایدٗ بڑی دہوم دہام سے کہے مگر وہ آسمان سخن کا شاہین تیز پنجہ تھا۔ اِسکی طبیعت مین طاقت بہت تھی اور اسپر قابو نہ تھا۔ اسلئے اُنکے قصایدٗ مین کہین کہین بے اعتدالیان موجود ہین جنسے

قصیدہ کی متانت اور وقار کا اصول ہاتھ سے جاتا رہا ہے۔ انشا کے بعد ذوق نے قصیدہ لکھے کہ بقول آزاد ہند کی زمین کو آسمان کر دکھایا۔ واقعی قصائد اردو میں شیخ مرحوم سب شعرا سے سوائے مرزا رفیع سودا کے بڑھکر ہیں۔ اِسلئے اُنکا رتبہ بطور شاعر بحالت مجموعی جرأت سے بڑھکر ہے۔

مثنوی شیخ مرحوم کی میں نے کوئی نہیں دیکھی۔ مولوی آزاد لکھتے ہیں کہ شیخ مرحوم نے نواب حامد علیخان مرحوم کی فرمایش سے ایک عاشقانہ خط جسکا نام نامۂ جانسوز تھا لکھا تھا۔ جسکے تین سو شعر ہو گئے تھے۔ انہیں اوّل حمد و نعت۔ پھر ساقی نامہ۔ پھر القاب معشوق۔ پھر سراپا۔ پھر یاد ایام وغیرہ تھی۔ شاید یہ مثنوی بھی اونہیں غزلوں میں گئی جو اُنکے صاحبزادہ کے پاس نہیں۔

مرثیے اور سلام کہنے کا انہیں موقع نہیں ملا۔

تاریخوں کی بابت مولوی آزاد لکھتے ہیں کہ شیخ مرحوم نے صدہا تاریخیں کہیں مگر یہ انکی بادشاہ کے حصہ میں آئی۔ کیونکہ بہت بلکہ کل تاریخیں انہیں کے نام سے ہوئیں۔ مولوی آزاد کی کلام سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ چاروں دیوان بادشاہ کے دراصل ذوق مرحوم کے لکھے ہوئے ہیں۔ یہ بات مجھے اتوکبھی معلوم ہوتی ہے۔ وہ ہی مثل ہوئی۔ فوج بیچاری کی رہتے اور نام ہو سردار کا۔ مرزا ابوالظفر نے اپنی تمام عمر شعر و سخن میں صرف کردی اور پھر نام اُنکے اُستاد کا ہو گیا۔ بادشاہ کی غزل کو صرف شیخ مرحوم نے ہی اصلاح نہیں دی۔ بلکہ شاہ نصیر اور میر بیقرار بھی اصلاح دیتے رہے۔ اِس خیال سے بہتر تھا کہ مولوی آزاد یہ فرماتے کہ ایک دیوان بادشاہ کو شاہ نصیر۔ اور بیقرار نے کہدیا۔ اور تین دیوان شیخ مرحوم نے کہدیئے یہ امر مسلم ہے کہ بہادر شاہ ملک ایجاد کا بادشاہ تھا۔ وہ خود نئی نئی باتیں نکالتا تھا۔ ستر برس اُس نے شعر و سخن میں صرف کئے تھے۔ مجھے یہ یقین نہیں آتا۔ ہرگز یقین نہیں آتا۔ کہ اُس نے ذوق سے غزلیں کہلاکر اپنا تخلص اُنہیں داخل کرلیا۔ کیا بادشاہ کوڑ مغز ہوا کرتے ہیں۔ کیا اُنمیں شعر کہنے کا ملکہ نہیں ہوتا۔ کیا اُن کی استعداد دماغی کمزور ہوتی ہیں۔ صرف اسوجہ سے کہ وہ بادشاہ ہیں۔ جیسے انسان ذوق غالب اور مومن ہوئے ہیں۔ ویسا ہی بہادر شاہ بھی انسان تھا پھر کیوں نہ تسلیم کیا جاوے کہ چار دیوان جو اسکے موجود ہیں۔ اُسکی اپنی طبیعت کا کرشمہ ظہور ہے۔ اصلاح کے معنے یہ نہیں ہوتے ہیں کہ پوری غزل کہکر حوالہ کردیجائے۔ اصلاح کا

یہ مطلب ہے کہ اگر عجز طبیعت ہو تو اسمین شان و شکوہ پیدا کر دیا جاوے ہے۔ اور کہین کہین ایک آدھ لفظ بدلکر مصرعہ کو بشرط ضرورت چست کر دیا جاوے۔

مولوی آزاد فرماتے ہین کہ شیخ مرحوم نے بادشاہ کے لئے چار دیوان کہے اور مین یہ کہتا ہون کہ ذوق خاقانئے ہند ظفر کے اُستاد بن کر ہوئے۔ شیخ مرحوم کو ظفر کا استاد بنتے ہی یہ شہرت نصیب ہوئی۔ اور ایسے ایسے اسباب مہیا ہوئے جن سے انہون نے عوام مین عزت حاصل کی۔ اگر ظفر شاگرد نہ ہوتے تو شعر بھی جو والد سے آپکو میراث مین پہنچی تھی انہین اوسط درجہ کے شاعرون مین ہی رہنے دیتی۔ یہ بادشاہ کا ہی ڈر تھا کہ اور شاعر اُن سے دبتے تھے۔ اور علانیہ مقابلہ پر آتے ہوئے چرانے تھے۔ قصہ مختصر ذوق مرحوم کو جو کچھ فروغ ہوا۔ وہ ظفر کی بدولت ہوا۔ اسمین کلام نہین کہ انکی طبع رسا تھی۔ مگر ویسے بہادر کے سلوک نے انکے حق مین وہ اثر کیا۔ جو خربوزہ کے حق مین تندرستی ہے۔ ویسے ہر کی بات تو درکنار مولوی آزاد تو یہانتک فرماتے ہین کہ دیوان معروف جو اب رائج ہے وہ تمام کمال شیخ مرحوم کا اصلاح کیا ہوا ہے۔

اور تسبیح زمرد کا تمام سلسلہ شیخ مرحوم کا کہا ہوا ہے۔

جائے انصاف ہے کہ نواب الٰہی بخش خان معروف۔ جیسا فن شعر کا ماہر کامل غیر کے کہے ہوئے اشعار اپنے نام سے مشہور کرانے کب عقل گوارا کر سکتی ہے۔ افسوس ہے شیخ مرحوم کی تعریف مین مولوی آزاد نے حد اعتدال سے تجاوز کیا ہے۔ اور صراصر انصاف کا خون کیا ہے۔ شیخ مرحوم کی وفات کے بعد بھی ظفر نے غزلین کہین ہین۔ جو پہلی کہی ہوئی غزلون سے کسی طرح رتبہ مین کم نہین ہین۔ اور مجھے مجبوراً کہنا پڑتا ہے۔ کہ جو تعریف مولوی آزاد نے ذوق مرحوم کی کی ہے۔ وہ اُس تعریف کے مستحق نہین تھے۔ چشم انصاف سے دیکھا جاوے تو یہ الفاظ انکی صفت مین نہایت موزون ہین۔

شیخ ابراہیم۔ ایک بڑے تیز طبع لائق شاعر تھے جنکی غزلیات اصول شعر گوئی کے لحاظ سے میر علیہ الرحمتہ۔ اور جرأت مرحوم کی غزلیات سے رتبہ مین کم ہین۔ جنکے قصائد مرزا رفیع کے قصائد سے دوسرے درجہ پر ہین مگر اور سب شعرا سے جو اردو زبان کے قصائد گو ہین بہتر ہین۔

اب اگر کوئی پوچھے کہ سرکاری مدارس مین دیوان ذوق کیون رائج ہے۔ تو

اسکا جواب یہ ہے کہ یہ مولوی آزاد کی عنایت ہے۔ وہ سررشتہ تعلیم اور پنجاب ٹکسٹ بک کمیٹی کے ایک کارکن رکن تھے۔ جو تجویز انہوں نے پیش کی وہی منظور ہوئی۔ اردو فارسی کی درسی کتابیں مولوی آزاد کی رائے سے مقرر ہوا کرتی تھیں۔

اصل معاملہ یہ ہے کہ جو چار دیوان ظفر کے سامنے ہیں۔ وہ مرزا ابوظفر کے اپنے کہے ہوئے ہیں۔ اور تسبیح زمرد۔ نواب معروف کی ذاتی لیاقت کا نمونہ ہے۔ البتہ کہیں کہیں انمیں ضرور شیخ مرحوم نے کوئی کوئی شعر چست اور درست کر دیا ہوگا۔

شیخ مرحوم کی کلام پر لوگ اعتراض بھی کرتے ہیں۔ چنانچہ مفصلہ ذیل بطور نمونہ درج کئے جاتے ہیں۔

ایک غزل کا شعر ہے ؎

اس نزاکت پر نظر کرنا کہ وہ رشک پری
بال بھی باندھے ہے جو مسّی پر تو زلف حور کا

مولوی عمو جان صاحب ولی فرمانے لگے۔ کہ جس معشوق کے بدن مسّے ہوں وہ خوبصورت خاک ہوگا۔ مسّوں کا ہونا سخت عیب ہے

انکا شعر ہے ؎

نشان بے رواجی گر دکھائے زور مٹ جاوے
جھپک سے دیدۂ صرّاف کے نقش درم میرا

اکثر لوگ کہتے ہیں کہ یہ شعر مہمل ہے۔ مگر میری رائے میں یہ اعتراض واہی ہے۔ اس شعر کے یہ معنے ہیں۔ نشان بے رواجی گر زور دکھائے تو میرا نقش درم دیدۂ صرّاف کی جھپک سے مٹ جائے۔ یعنے میری بے رواجی اور بے قدری جب زور دکھاتی ہے۔ تو یہ ہوتا ہے کہ جب میں درم لیکر صرّاف کے پاس پرکھوانے لیجاتا ہوں۔ تو صرّاف اُس کو قبول کرتا ہے۔ لیکن جتنی دیر میں وہ آنکھ جھپکتا ہے اس اثنا میں نقش درم مٹ جاتا ہے۔ اور وہ درم کھوٹا ہو جاتا ہے ایک پرانی غزل کا شعر ہے ؎

سر بوقت ذبح اپنا اُسکے زیر پائے ہے
یہ نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے

لوگون نے کہا یہ صفتی ترکیب ہے۔ اسمین سے زیادہ کرنی جایز نہین
مولوی آزاد کہتے ہین۔ یہ اعتراض کم نظری کے باعث سے ہے۔ اور یہ شعر سند
مین پیش کرتے ہین ؎

در رختے کہ اکنون گرفت است پاے
بہ بیرونے شخصے بر آید ز جاے

مگر میرے خیال مین یہ ترکیب فارسی مین جایز ہے۔ اردو مین نہین انکا
ایک مطلع ہے ؎

مرے جو موت کے عاشق بیان کبھو کرتے
مسیح و خضر بھی مرنے کی آرزو کرتے

اسپر اعتراض ہوا۔ کہ الفاظ "کبھو" "واچھڑے" "بل بے" وغیرہ متروک
ہو چکے ہین۔ اب کبھو کی جگہ کبھی کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ اِن کا ایک
شعر ہے ؎

بل بے وحشت ابتلک بھی شاخ آہو کیطرح
پیچ کھاتا ہے دھوان میرے چراغ گور کا

اِس شعر مین بھی لفظ بل بے پر اعتراض تھا۔
ایک پرانی غزل کا شعر ہے ؎

دانہ خرمن ہے ہمین قطرہ ہے دریا ہمکو
آئے ہے جزو مین نظر کل کا تماشا ہمکو

اسپر اعتراض ہوا کہ اصل لفظ جزو ہے۔ فقط جز صحیح نہین۔ اگرچہ لفظ
واقعی جزو ہے۔ مگر رعایت نظم مین جزو کی جگہ جز بھی استعمال ہوا ہے مثلاً
امیر خسرو فرماتے ہین ؎

ہرچہ کند در جزو در کل اثر
کل ز جز بیش بود زان خبر

اور میر تقی فرماتے ہین ؎

جزمرتبۂ کل کو حاصل کرے ہے آخر
ایک قطرہ نہ دیکھا جو دریا نہ ہوا ہوگا۔

انکی ایک غزل کا شعر ہے ؎

منہ اُٹھائے ہوئے جاتا ہے کہاں تو کہ تجھے
ہے ترا نقشِ قدم چشم نمائی کرتا

نواب کلب حسین خان نادر۔ فرماتے ہین۔ (تجھے) دوسرے مصرعہ کا حق ہے۔ پہلے مصرعہ مین نہین لانا چاہیئے۔

شیخ مرحوم کا ایک شعر ہے ؎

لب تک اُسکی جو ہوئی دسترس جام شراب
بنگیا خال لب اُسکا مگس جام شراب

اسپر یہ اعتراض کرتے ہین۔ کہ خال کو تشبیہہ زاغ بستان ارم۔ ہندوی آتش پرست۔ سوید اے دل۔ نقطۂ ام الکتاب سے دیتے ہین کہ مگس سے جو ایک مکروہ شے ہے۔ اس کی کچھ مناسبت نہین۔ اور کہ اگر خال اس وضع کا ہے کہ اُس کا عکس مگس کی شکل کا ہے۔ تو سلام ہے ایسی خوبصورتی کو۔

شیخ علیہ الرحمتہ کا مشہور شعر ہے ؎

قسمت ہی سے ناچار ہون اے ذوق وگرنہ
سب فن مین ہون طاق مجھے کیا نہین آتا۔

معترض یہ اعتراض کرتے ہین کہ فن صیغہ واحد ہے اور سب جمع کے ساتھ آتا ہے۔ سب فنون مین ہونا چاہیئے تھا۔ مگر میرے خیال مین یہ غلطی کتابت ہے۔ اصل مصرعہ یون ہے۔ ؎

ہر فن مین ہون مین طاق مجھے کیا نہین آتا

اُسکا ایک اور شعر ہے ؎

تھا کوچۂ قاتل مین شہادت کا دفینہ
کھودا جو کنوان گنج شہیدان نکل آیا

اس شعر کی نسبت یہ اعتراض کرتے ہین کہ شہادت صفت ہے موصوف نہین ہے یعنے شہادت وہ حالت ہے۔ جو شہیدون پر واقع ہوتی ہے۔ اوّل تو صفت کا وجود نہین ہوتا۔ اسلیئے اُسکا دفینہ ہونا معلوم۔ دوم یہ کہ دوسرے مصرعہ مین لکھا ہے کہ گنج شہیدان نکل آیا یعنے دوسرا مصرعہ جو نتیجہ دعوی کے جو پہلا مصرعہ ہے نقیض ہے۔ یعنے پہلے مصرعہ مین لکھا ہے کہ دفینہ شہادت ہے۔ اور دوسرے مین لکھتے ہین کہ وہ گنج شہیدان ہے۔

شیخ مرحوم کے کلام پر اعتراض کرنا بھی حماقت ہے۔ وہ اس رتبہ کے شاعر نہ تھے کہ ہر ایک اُنکے اشعار پر نکتہ چینی کر لے۔ وہ ایک ذی لیاقت قادر الکلام شاعر تھے۔ اور بندش مضمون۔ درستی الفاظ۔ مناسبت تشبیہ و استعارات کے لحاظ سے اُنکا کلام بالکل عیوب سے پاک ہے۔ اگر وہ معمولی درجہ کے شاعر ہوتے تو ظفر جیسا سخن شناس اُنکو اُستاد بنا کر عزت کو بٹہ نہ لگاتا۔

غزلیات

گل اُس نگہ کے زخم رسیدہ زمین ملگیا
یہ بھی لہو لگا کے شہید و زمین ملگیا

کیا جلسے تیغ عشق کی لذت کو بوالہوس
گو جون ملخ وہ حانق بریدہ زمین ملگیا

گر بعد فقر پھر سگ دنیا ہوا فقیر
کم بخت پاک ہو کے پلید و زمین ملگیا

دکھلا کے کہکشان فلک چاک سینہ رات
اُس ماہوش کے سینہ دریدہ زمین ملگیا

اُس شکل سے ہوا وہ طلبگار دید یار
صاف آئینہ کا دیدہ تدیدہ زمین ملگیا

حُبِّ حسین ذوق وہ شے ہے کہ جس سے حُر
تھا اگرچہ اشقیا مین سعیدون مین ملگیا

نالہ اس شور سے کیون میرا دوہائی دیتا
اسے فلک گر تجھے اونچا نہ سنائی دیتا

دیکھ چھوٹون کو ہے اللہ بڑائی دیتا
آسمان آنکھ کے تلمین ہی دکھائی دیتا

لاکھ دیتا فلک آزار گوارا تھی مگر
ایک تیرا نہ مجھے درد جدائی دیتا

پنجہ مہر کو خون شفق مین ہر روز
غوطے کیا کیا ہے تیرا دست حنائی دیتا

روش اشک گرادینگے نظر سے اکدن
ہے ان آنکھون ہی سے یہ ہی مجھکو سجھائی دیتا

مین ہون وہ صید کہ پھر دام مین پھنستا جاکر
گر قفس سے مجھے صیاد رہائی دیتا

کون گھر آئینہ کے جاتا اگر وہ گھر مین
خاکساری سے نہ جاروب صفائی دیتا

خوگر ناز ہون کس کا کہ مجھے ساغر سے
بوسۂ لب نہین بے چشم نمائی دیتا

منہ سے بس کرتے نہ ہرگز یہ خدا کہنے بندے
گر حریصون کو خدا ساری خدائی دیتا

دیکھ گر دیکھتا ہے ذوق کہ وہ پردہ نشین
دیدۂ روزن دل سے ہے دکھائی دیتا

ہم ہیں اور سایہ ترے کوچے کی دیواروں کا
کام جنت میں ہے کیا ہم سے گنہگاروں کا

محتسب گرچہ دل آزار ہے مے خواروں کا
دیجیے اک جام تو ہے پیار ابھی یاروں کا

اتنا تو سوز و فغاں ہو کہ چمن میں بلبل
خرمن گل کی جگہ ڈھیر ہو انگاروں کا

چرخ پر بیٹھ رہا جان بچا کر عیسیٰ
ہو سکا جب نہ مداوا ترے بیماروں کا

ہوں رگیں حلق بریدہ کی بہار خوں ناب
گر تماشا تجھے منظور ہو فواروں کا

ہیں کماندار ترے تیر مژہ تشنۂ خوں
منہ کھلا رہتا ہے اس واسطے سوفاروں کا

کیوں نہ مرتا رہیں سو دل ہوں گرفتار کہ یہ
جینا نہ ہے محبت کے گرفتاروں کا

دینگے جاں بوسۂ لعل نمکیں پر ہم بھی
جان نثاری ہے اگر شیوہ نمک خواروں کا

بے سیاہی نہ چلا کام قلم کا اے ذوق
رو سیاہی سر و سامان ہے سیہ کاروں کا

مرے سینے سے ترا تیر جب اے جنگجو نکلا
دہان زخم سے خوں ہو کے حرف آرزو نکلا

مرے گھر تیرا اے مہر نکلنا ہو یہ کہاں طالع
خدا جانے کدھر کا چاند آج اے ماہرو نکلا

پھرا گر آسماں تو شوق میں تیرے ہے سرگرداں
اگر خورشید نکلا تیرا گرم جستجو نکلا

مئے عشرت طلب کرتے تھے ناحق آسماں سے ہم
کہ آخر جب اسے دیکھا فقط خالی سبو نکلا

ترے آنے ہی آنے کام آخر ہو گیا میرا
رہی حسرت کہ دم میرا نہ تیرے روبرو نکلا

کہیں تجھ کو نہ پایا گرچہ ہم نے اک جہاں ڈھونڈا
پھر آخر دل ہی میں دیکھا بغل ہی میں سے تو نکلا

خجل اپنے گناہوں سے ہوں میں یہاں تک کہ جب رویا
تو جو آنسو مری آنکھوں سے نکلا [illegible] نکلا

نکلے سب دختر رز اور ٹوٹی سر سبو نے
مگر تخفا دلوں میں جو کھٹکا نہ وہ ہرگز کبھو نکلا

اسے [illegible] یار سمجھے ذوق ہم جس کو
جسے یہاں دوست اپنا ہم سمجھتے تھے وہ عدو نکلا

لے یار روز عید شب غم سے کم نہیں
جام شراب دیدۂ پرنم سے کم نہیں

دیتا ہے دور چرخ کسے فرصت نشاط
ہو جس کے پاس جام وہ اک جم سے کم نہیں

اس لطف قد نرا کے لئے اے مسیح دم
کچھ دست شانہ پنجۂ مریم سے کم نہیں

نہ بہایا ہے رخ زرد پہ کیا اشک لالہ گوں
اپنی خزاں بہار کی موسم سے کم نہیں

شہرت ہے نبض کی رگ سنگ مزار میں
دیکھی تپش کچھ اب بھی تپ غم سے کم نہیں

ہوتی ہے جمع زر سے پریشانی آخرش
درہم کی شکل صورت درہم سے کم نہیں

ساقی ملے ہزار فلاطوں میں خاک میں
جو خم کہ ہستی ہے وہ آدم سے کم نہیں۔

اُس حور وش کا گھر مجھے جنت سے ہے سوا
لیکن رقیب ہو تو جہنم سے کم نہین

شور آبۂ سرشک سے دھوتا ہون زخم دل
تیزاب میرے حق مین یہ مرہم سے کم نہین

ہاتھون سے تیرے پارۂ الماس زخم دل
مجھکو تو جلوۂ گل شبنم سے کم نہین

اے ذوق کس کو چشم حقارت سے دیکھیے
سب ہم سے ہین زیادہ کوئی ہم سے کم نہین

جُدا ہون یار سے ہم اور نہ ہون رقیب جُدا
ہے اپنا اپنا مقدّر جُدا نصیب جُدا

تری گلی سے نکلتے ہی اپنا دم نکلا
رہے ہے کیونکہ گلستان سے عندلیب جُدا

دکھا دے جلوہ جو مسجد مین وہ بت کافر
تو چیخ اُٹھے مؤذن جُدا خطیب جُدا

جُدا نہ درد جُدائی ہو گر مرے اعضا
حروف درد کی صورت ہون اے طبیب جُدا

ہجوم اشک کے ہمراہ کیون نہ ہو نالہ
کہ فوج سے نہین رہتا کبھی نقیب جُدا

فراق خلد سے گندم ہے سینہ چاک ابتک
الہی ہو نہ وطن سے کبھی غریب جُدا

کیا حبیب کو مجھ سے جُدا فلک نے مگر
نہ کر سکا کبھی مجھ سے غم حبیب جُدا

کرین جُدائی کا کس کس کی رنج ہم اے ذوق
کہ ہونے والے ہین سب ہم سے عنقریب جُدا

کسی بیکس کو اے بیداد گر مارا تو کیا مارا
جو آپ ہی مر رہا ہو اُسکو گر مارا تو کیا مارا

نہ مارا آپکو جو خاک ہو اکسیر بن جاتا
اگر پارے کو اے اکسیر گر مارا تو کیا مارا

بڑے موذی کو مارا نفس امّارہ کو گر مارا
نہنگ و اژدہا و شیر نر مارا تو کیا مارا

خطا تو دلکی تھی قابل بہت سی مار کھانیکے
تری زلفون نے مشکین باندھ کر مارا تو کیا مارا

نہین وہ قول کا سچا ہمیشہ قول دیکر
جو اُس نے ہاتھ میرے ہاتھ پر مارا تو کیا مارا

تفنگ و تیر تو ظاہر نہ تھا کچھ پاس قاتل کے
الہی پھر جو دل پر تاک کر مارا تو کیا مارا

ہنسی کے ساتھ یان روتا ہے مثل قلقل مینا
کسی نے قہقہہ اے بیخبر مارا تو کیا مارا

مرے آنسو ہمیشہ ہین برنگ لعل غرق خون
جو غوطہ آب مین مارا اگر مارا تو کیا مارا

جگر دل دونون پہلو مین ہین زخمی کسنے کیا جانے
ادھر مارا تو کیا مارا اُدھر مارا تو کیا مارا

دل سنگین خسرو پر بھی ضرب کوہکن پہنچا
اگر تیشہ سر کہسار پر مارا تو کیا مارا

گیا شیطان مارا ایک سجدے کے نکرنے مین
اگر لاکھون برس سجدے مین سر مارا تو کیا مارا

دل بدخواہ مین تھا مارنا یا چشم بدبین مین
فلک پر ذوق تیر آہ گر مارا تو کیا مارا

فصل پانچوین

ذوق - انشا - غالب

اِس فصل مین ہمین یہ مدنظر ہے - کہ شیخ ابراہیم کا مقابلہ سید انشاءاللہ خان - اور مرزا اسداللہ غالب - سے کرین - اِسلئے ضرور ہے کہ کچھ سید انشار اور غالب کے مختصر حال سے بھی ناظرین کو آگاہ کیا جاوے -

سید انشاءاللہ خان انشار - میر ماشاءاللہ خان - کے بیٹے تھے - اِنکے بزرگ نجف اشرف سے سمرقند آئے اور سمرقند سے دِلّی مین آکر سکونت اختیار کی - میر ماشاءاللہ خان - دربار شاہی مین طبیب تھے - اور اِسوقت کے عیسلے زمان سمجھے جاتے تھے - کہتے ہین اُنکے ہاتھ مین شفا تھی - انشار نے جیسا کہ امیرزادونکا دستور تھا سب ضروری علوم وفنون مین کما حقہ لیاقت حاصل کی - قدرت نے اُنھین ایسا طباع اور عالی دماغ پیدا کیا تھا - کہ گردہ و ہر دن مین ایک تھے - بیشک ایسا تیز طبع انسان ہندوستان مین کم پیدا ہوا ہوگا - اُنکی طبیعت ایک ہیولے تھی - کہ ہر قسم کی صورت پکڑ سکتی تھی - انشار نے اپنا آبائی پیشہ اختیار نہین کیا اُنھون نے شاعری کو لیا - اور اِسمین وہ وہ تصرفات کیے کہ اُنکے کلیات کو دیکھنے والا حیران رہجاتا ہے - اُنہون نے شاعری کی بدولت وہ عروج پایا کہ نواب سعادت علیخان کی ناک کا بال بنگئے - اپنی لیاقت کمال - اور شگفتہ مزاجی خطور خلائق ہجے تھے - اُنکے دروازہ پہ پالکی - نالکی اور ہجوم سے رستہ نہ ملتا تھا - لکھنؤ مین کوئی رئیس نہ تھا - جو انشار سے نہ ملتا ہو - اور اُنکی ملاقات فخر نہ سمجھتا ہو - مگر افسوس ہے انشار کا انجام بخیر نہ ہوا - آخر عمر در دروازہ جہان ہاتھی جھولتے تھے - وہان کتے لوٹتے تھے - اور خاک اُڑتی تھی سعادت یارخان

سے اُنکی اخیر حالت کا اس طرح فوٹو کھینچا ہے۔ کہ ایک دفعہ مین لکھنؤ گیا۔ اور سرا مین اترا۔ قریب ہی مشاعرہ ہونے والا تھا۔ ملاقاتیون کے تقاضے سے مین بھی جلسہ مین پہنچا۔ کیا دیکھتا ہون کہ ایک شخص میلی کچیلی روئی دار مرزئی پہنے۔ سر پہ ایک میلا سا پھٹا عمامہ۔ گھٹنا پاؤن مین گلے مین پھکیون کا توڑا ڈالے ایک لکڑی کا حقہ ہاتھ مین لئے آیا۔ اور سلام علیکم کہکر بیٹھ گیا۔ اُس نے اپنے توبڑہ مین ہاتھ ڈالکر تمباکو نکالا۔ اور اپنی چلم پر سلفا جماکر کہا کہ بھئی ذرا سی آگ ہو تو اسپر رکھ دینا۔ اسیوقت آوازین بلند ہوئین اور گرد گرد کی شکست ہو ان سے لوگ تواضع کرنے لگے۔ وہ بیدماغ ہوکر بولا کہ صاحب ہمین ہمارے حال پر رہنے دو نہین تو ہم چلتے ہین۔ سب نے اُنکی بات تسلیم کی۔ دم بھر کے بعد پھر بولا کہ کیون صاحب ابھی مشاعرہ شروع نہین ہوا۔ لوگون نے کہا۔ کہ جناب لوگ جمع ہوتے جاتے ہین سب آجاوین تو شروع ہو۔ وہ بولا کہ صاحب ہم تو اپنی غزل پڑھ دیتے ہین یہ کہکر توبڑہ مین سے ایک کاغذ نکالا اور غزل پڑھنی شروع کردی :-

کمر باندھے ہوئے چلنے کو یہان سب یار بیٹھے ہین ۔۔۔ بہت آگے گئے باقی جو ہین تیار بیٹھے ہین
نہ چھیڑ اے نکہت باد بہاری راہ لگ اپنی ۔۔۔ تجھے اٹھکھیلیان سوجھی ہین ہم بیزار بیٹھے ہین
تصور عرش پر ہے اور سر ہے پائے ساقی پر ۔۔۔ غرض کچھ اور دھن مین اسگھڑی میخوار بیٹھے ہین
بسان نقش پائے رہروان کوئے تمنا مین ۔۔۔ نہین اُٹھنے کی طاقت کیا کرین لاچار بیٹھے ہین
یہ اپنی چال ہے اُفتادگی سے اب کہ پہرون تک ۔۔۔ نظر آیا جہان پر سایۂ دیوار بیٹھے ہین
کہان صبر و تحمل آہ ننگ و نام کیا شے ہے ۔۔۔ میان رو پیٹھ کر ان سب کو ہم یکبار بیٹھے ہین
نجیبون کا عجب کچھ حال ہے اس دور مین یارو ۔۔۔ جہان پوچھو یہی کہتے ہین ہم بیکار بیٹھے ہین

بھلا گردش فلک کی چین دیتی ہے کسے انشا
غنیمت ہے کہ ہم صورت یہان دو چار بیٹھے ہین

غزل پڑھ۔ کاغذ پھینک۔ سلام علیکم کہکر چلے گئے۔ غزل پڑھتے مین مین نے پہچانا کہ لو ہو یہ تو انشا ہین۔

پھر جو میرا لکھنؤ جانے کا اتفاق ہوا۔ تو پوچھتا ہوا گھر پہنچا۔ ڈیوڑھی پر دستک دی۔ اندر سے کسی بڑھیا نے پوچھا کہ کون ہے بھائی۔ مین نے کہا کہ سعادت یار خان دلی سے آیا ہے۔ اُس ضعیفہ نے پہچانا۔ دروازہ پر آکر بہت روئین اور کہا کہ بیٹا اُنکی تو عجیب حالت ہے۔ اے لو۔ مین ہٹ جاتی ہون تم اندر آؤ اور دیکھ لو۔ مین اندر گیا۔ دیکھا کہ ایک کونے مین بیٹھے ہین۔ تن برہنہ ہے۔ دونون زانوؤن پر سر دھرا ہے۔ آگے راکھ کے ڈھیر مین ایک لوٹا سا

حقہ پاس رکھا ہے۔"

سید انشاء اور ذوق مرحوم کی طبیعتوں میں کالے کوسوں کا فرق تھا۔ انشاء شوخی طبیعت کے لحاظ سے سیماب تھے۔ تو ذوق مرحوم سنجیدگی کے خیال سے سنگلاخ چٹان۔ سید انشاء اگر ایک شاہین تھے جسکے سینہ میں علوم و فنون کے زور بھرے تھے۔ اور جسکو طراری اور براقی کے بازو اڑاے لئے پھرتے تھے۔ تو ذوق مرحوم ایک بلبل ہزار داستان تھے۔ انشاء ہر بزم میں گلدستہ احد اور ہر چمن میں پھول تھے تو ذوق مرحوم یکرنگی کے باغ کے آزاد سرو تھے۔

ذوق مرحوم کا ایک نامکمل دیوان دیکھکر رونا آتا ہے۔ تو انشاء کی کلیات دیکھکر دل کا غنچہ پژمردہ کھل جاتا ہے۔ انشاء کا یہ عالم تھا۔ کہ ہندوستان کی زبانیں انکے گھر کی لونڈیاں تھیں۔ منٹ منٹ میں روپ بدلتے تھے ابھی پنجاب میں کھڑے تھے تو ابھی پورب میں جا نکلے۔ ابھی برج باشی تھے۔ تو ابھی مرہٹے ہوگئے۔ ابھی کشمیری تھے تو ابھی افغان بن گئے۔ مگر ذوق مرحوم نے جو کچھ کہا ہے وہ خاص دلی کی ٹھیٹھ اردو میں کہا ہے۔ انشاء کی طبیعت میں طاقت بہت تھی۔ مگر اسپر قابو نہ تھا۔ ذوق کی طبیعت میں اسقدر طاقت تو نہ تھی۔ مگر جتنی طاقت تھی اسپر کما حقہ اختیار رکھتا۔ انشاء سمندر تھے تو ذوق میٹھے پانی کا چشمہ۔ سید انشاء کسی اصول کے پابند نہ تھے۔ مگر ذوق مرحوم کو اس امر کا بڑا خیال تھا۔ ذوق کے دیوان سے یہ ترشح ہوتا ہے کہ ایک دلی والا فصاحت و بلاغت سے گل افشانی کر رہا ہے۔ سید انشاء کی کلیات میں یہ لطف ہے کہ اسے لیکر بیٹھو تو یہ معلوم ہوگا۔ کہ ایک ایرانی تازہ ولایت سے آیا اور شیرہ شیراز کے دو دو گھونٹ سبکو پلا گیا۔ ایک دو ورق الٹو تو دیکھو گے کہ ایک عرب العربا۔ جبہ پہنے آیا۔ اور آب زمزم سب میں تقسیم کر گیا۔ ذرا اور آگے چلو تو دیکھو گے کہ عالیجاہ کابلی سردوں کو سب کا منہ میٹھا کر گیا پھر دیکھو گے کہ برج کی گوپیاں پیروں کا گانا گاتی ہوئی چیری ناگنیں اور آگے بڑھ کر ملاحظہ کرو گے تو چھنک سیلے پی جتیاں ایک ایک پیالہ لسی اور چھاچھ کا سب کو پلا گئیں۔ آگے کشمیری ٹینٹ بلا اور دائیں ہاتھ آپکے لئے چاء اور قہوہ لئے موجود ہیں۔

ذوق مرحوم کے دیوان میں صرف غزلیات اور قصائد ہیں اور سید انشاء کی کلیات میں دیوان غزلیات اردو فارسی۔ دیوان ریختی۔ ریختی میں پہیلیاں۔ مستزاد۔ قصائد اردو فارسی۔ مثنوی فارسی و اردو۔ دیوان بے نقط۔ پہیلیاں۔ چیستان۔ تاریخ وغیرہ وغیرہ موجود ہیں۔

ذوق مرحوم حتی الوسع کسی سے برسر پرخاش نہ ہوئے اور جہانتک مجھے علم ہے کسی کی ہجو نہین کہی اور سلامت روی کو ہمیشہ مدنظر رکھا۔

سید انشا رجسکے نیچھے پڑے۔ پنجہ جھاڑ کر پڑے۔ اور ایسے ہاتھ دھو کر گرد ہوئے کہ اُسکو جان چھڑانی مشکل ہوگئی۔

غرض جملہ حالات کو ملحوظ خاطر رکھکر تقاضے دوام کے دربار مین دونون کا رُتبہ مساوی سمجھنا چاہیے۔ اور ایک ہی نیم تخت پر دونونکو پہلو بہ پہلو بٹھانا چاہیے دو غزلین سید انشاء کی نمونہ کے طور پر ہدیہ ناظرین کرتا ہون :۔

لگا کے برف سے ساقی صراحئ مے لا ۔ جگر کی آگ بجھے جس سے جلد وہ شے لا
قدم کو ہاتھ لگاتا ہون اُٹھ کہین گھر چل ۔ خدا کے واسطے اتنے تو پانون مت پھیلا
نکل کے وادئ وحشت سے دیکھ اے مجنون ۔ کہ زور دھوم سے آتا ہے ناقۂ لیلا
گرا جو ہاتھ سے فرہاد کے کہین تیشہ ۔ درون کوہ سے نکلی صدائے وا ویلا

نزاکت اس گل رعنا کی دیکھیو انشا ر
نسیم صبح جو چھو جائے رنگ ہو میلا ر

فخریہ انداز ملاحظہ ہو

ایک طفل دبستان ہے فلاطون میرے آگے ۔ کیا منہ ہے ارسطو جو کرے چون میرے آگے
کیا مال بھلا قصر فریدون میرے آگے ۔ کانپے ہے پڑا گنبد گردون میرے آگے
مرغان اولی اجنحہ مانند کبوتر ۔ کرتے ہین صدا عجز سے غون غون میرے آگے
منہ دیکھو تو نقارچئ بیبل فلک بھی ۔ نقارہ بجا کر کہے دون دون میرے آگے
ہون وہ جبروتی کہ گروہ حکما سب ۔ چڑیون کی طرح کرتے ہین چون چون میرے آگے
بولے ہے یہی خامہ کہ کس کس کو مین باندھون ۔ بادل سے چلے آتے ہین مضمون میرے آگے
کیا آکے ڈرا دے مجھے زلف شب یلدا ۔ ہے دیو سفید سحری جون میرے آگے
مجرے کو میرے خسرو پرویز ہو حاضر ۔ شیرین بھی کہے آ کے بلا لون میرے آگے

یہ عار فلک کاہکشان ہیچ ہے انشا ر
کیا دخل جو بل کھا کے کرے خون میرے آگے

نجم الدولہ دبیر الملک مرزا اسد اللہ خان غالب۔ کے خاندان کا سلسلہ افراسیاب بادشاہ توران سے ملتا ہے۔ انکے دادا گردش زمانہ سے شاہ عالم کے زمانہ مین دہلی آئے تھے۔ انکے والد عبد اللہ بیگ ابتدا مین حیدر آباد مین تین سو سوار کی جمعیت

سے ملازم رہے۔ کچھ برس کے بعد ایک خانہ جنگی کے بکھیڑے مین بہ صورت بگڑ گئی
اسپر اُنھون نے راجہ بختاور سنگھ کی ملازمت اختیار کی۔ اور ایک لڑائی مین کام
آ گئے۔ اسوقت مرزا پانچ برس کے تھے۔ جب سر سے والد کا سایہ اُٹھ گیا۔ مرزا عبد اللہ
بیگ خان کی وفات پر اُنکے بھائی نے جو اکبر آباد کے صوبہ دار تھے۔ اس دُرِّ یتیم
کو دامن مین لیلیا۔ اتفاقاً یہ بھی مرگ ناگہانی کے پنجہ مین گرفتار ہوگئے۔ رسالہ برطرف
ہوگیا اور جاگیر ضبط ہوگئی۔ بزرگون نے لاکھون روپیہ کی جایداد چھوڑی تھی۔ مگر
انقلاب زمانہ پر کسکا زور چل سکتا ہے۔ مرزا غالب کے حصّہ مین صرف ملک سخن کی
حکومت ہی آئی۔ اور دولت مضامین پر قناعت کرکے غریبانہ حال سے زندگی بسر
کرنی پڑی۔ آخر رامپور کے نواب نے اِنہین بلوا بھیجا۔ اور تعظیم خاندانی کے ساتھ
دوستانہ و شاگردانہ بغلگیر ہوکر ملاقات کی۔ نواب رامپور نے سنہ ۵۹ء سے یہ دستور
ٹھہرا دیا۔ کہ اگر مرزا دلی رہین تو سو روپیہ ماہوار اور اگر رامپور رہین تو دو سو
روپیہ ماہوار ملا کرے۔

مرزا بیچارے اکثر قرضدار رہا کرتے تھے۔ آخر قرضدارون نے نالش
داغ دی۔ جب جوابدہی مین طلب ہوئے تو یہ شعر جواب دعوی کی جگہ پڑھ دیا ؎

مفت کی پیتے تھے مے۔ لیکن سمجھتے تھے کہ ہان
رنگ لائیگی ہماری فاقہ مستی ایک دن

مرزا نے ۷۳ سال کی عمر پائی۔ مرنے سے چند سال پیشتر کانون اونچا سنائی
دینے لگا۔ خوراک یہ رہگئی تھی۔ کہ صبحکو پانچ سات بادام کا شیرہ۔ ۱۲ بجے یخنی کا
ایک کٹورا۔ شام کو سہ کباب تلے ہوئے۔ آخر سنہ ۱۸۶۹ء مطابق سنہ ۱۲۸۵ھ مین اُنکا
مرغِ روح اِس قفس عنصری سے پرواز کرگیا۔ مرنے سے چند روز پہلے یہ شعر
کہا تھا ؎

دم واپسین بر سر راہ ہے
عزیزو اب اللہ ہی اللہ ہے

اگر نظر انصاف سے تعصب مذہبی۔ اور رعایت تعلقداری اور قرابت کو
بالائے طاق رکھکر دیکھا جائے تو بادی النظر مین معلوم ہو جاتا ہے کہ غالب کا کلام
جملہ شعرائے اردو کے کلام سے بہتر اور برتر ہے۔ ذوق مرحوم کو اُنکی معنی آفرینی
اور نازک خیالی سے کچھ نسبت نہین۔ اُنکی صفائی اور عام فہم غزلین میر اور جرأت

کے کلام کو شرماتی ہین اور انکی ادق اور مشکل غزلین انشا۔ سودا۔ اور ذوق
کے کلام پر اوس برساتی ہین۔ اگر ذوق نازک خیالی کے آسمان کے باز تھے
تو مرزا غالب۔ عقاب بلند پرواز تھے۔ اگر ذوق اقلیم سخن کے بادشاہ تھے
تو غالب کشورِ سخن کے شاہنشاہ تھے۔ ذوق مرحوم نے بہادر شاہ ظفر کی حمایت
اور پشت پناہی سے ملک الشعرا کا خطاب پایا اور مرزا غالب نے گوشہ نشینی مین ہی
وہ کچھ کر دکھایا کہ چار دانگ عالم مین کوس شہرت بجایا۔ ذوق مرحوم کا نام ہندوستان
کی چار دیواری تک محدود ہے۔ مگر غالب کا کلام ایران تک پہنچا اور علم و زبان
فارسی مین سند سمجھا گیا۔ غالب اردو لٹریچر کے ڈاکٹر جانسن کی طرح "ڈکٹیٹر" یعنے
زبان اردو کے ادیب تھے۔ جب کسی مشکل شعر کے معنے حل طلب ہوتے تھے یا
کوئی امر فارسی یا اردو کا تحقیق طلب ہوتا تھا۔ تو لوگ غالب مرحوم کی ہی خدمت مین
رجوع لاتے تھے۔ غالب کا کلام اردو زبان کی ٹکسال ہے۔ غالب مرحوم مضامین
ومعانی کے مبشر تھے۔ اونکے اکثر شعر ایسے اعلےٰ درجہ رفعت پر واقع
ہوتے ہین کہ ہر ایک کا ذہن وہان تک نہین پہنچ سکتا۔ ذوق نے صرف نظم پر
قلم اٹھایا اور مرزا غالب نے کشورِ نثر مین بھی سکہ چلایا۔ سکہ بھی وہ ہے کہ جس کے
طغرائے شاہی مین یہ نقش ہوا کہ جب تک اردو فارسی نظم و نثر کی جان مین حیات ہے
مرزا غالب کا نام بھی زندہ رہے گا۔ ذوق مرحوم۔ صرف شاعر ہی تھے اور غالب علاوہ
شاعر وغیرہ کے ایک صاحب نظر مؤرخ بھی تھے۔ حضور سے خدمت تاریخ نویسی انکے
سپرد ہوئی تھی۔ مہر نیمروز اوسی زمانہ کی تصنیف ہے۔ اور اسی زمانہ مین یہ خطاب عطا
ہوا تھا۔ یعنے "مرزا اسد اللہ خان غالب بہادر نظام جنگ"

کہتے ہین ایک دفعہ مشاعرہ مین حکیم آغا جان عیش نے ظفر اور ذوق مرحوم
کے اشارہ سے غزل طرحی مین یہ قطعہ پڑھا ؎

اگر اپنا کہا تم آپ ہی سمجھے تو کیا سمجھے — مزا کہنے کا جب ہے اک کہے اور دوسرا سمجھے
کلام میر سمجھے اور زبان میرزا سمجھے — مگر انکا کہا یہ آپ سمجھین یا خدا سمجھے

جب یہ خبر اس ملک بے نیازی کے بادشاہ کو کہ اقلیم سخن کا بھی شاہنشاہ تھا پہنچی
تو ایک ہی شعر سے سبکو جواب دیدیا ؎

نہ ستائش کی تمنا ہے نہ صلے کی پروا
نہ سہی گر مرے اشعار مین معنے نہ سہی

پھر ایک روز یہ کہا کہ

مشکل ہے زبس کلام میرا اے دل ۔ سن سن کے اسے سخنوران کامل
آسان کہنے کی کرتے ہیں فرمائش ۔ گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل

ایکدفعہ مرزا غالب ۔ میاں ذوق کی بات نکتہ چینی سے ناراض ہوگئے اور فرمانے لگے ۔ اردو زبان میں کچھ تک بندی کر لی تو کوئی بڑی بات نہیں مزا تب ہے کہ فارسی میں بھی کچھ کہکے سنائیں ۔ پھر ایک ٢٠ یا ٢٥ شعر کا ایک قطعہ لکھا جسمیں ایک شعر یہ تھا ۔

راست میگویم من و از راست سر نتوان کشید
ہرچہ در گفتار فخر تست آن ننگ من است

یہ صاف ذوق کی طرف چشمک ہے ۔

مرزا جوان بخت کی شادی کے اہتمام میں بڑی دھوم دھام سے سامان ہوتے تھے مرزا نے یہ سہرا لکھکر حضور میں گذرانا ۔

سہرا

خوش ہو اے بخت کہ ہے آج ترے سر سہرا
باندھ شہزادے جوان بخت کے سر پر سہرا

کیا ہی اُس چاند سے مکھڑے پہ بھلا لگتا ہے
ہے ترے حسنِ دل افروز کا زیور سہرا

سر پہ چڑھنا تجھے پھبتا ہے پر اے طرفِ کلاہ
مجھکو ڈر ہے کہ نہ چھینے ترا لمبر سہرا

ناؤ بھر کر ہی پروئے گئے ہونگے موتی
ورنہ کیوں لائے ہیں کشتی میں لگا کر سہرا

سات دریا کے فراہم کئے ہونگے موتی
تب بنا ہوگا اس انداز کا گز بھر سہرا

رخ پہ دولہا کے جو گرمی سے پسینا ٹپکا ۔

ہے رگِ ابرِ گہر بار سراسر سہرا
یہ بھی اک بے ادبی تھی کہ قبا سے بڑھ جائے
رہ گیا آن کے دامن کے برابر سہرا
جی میں اترائیں نہ موتی کہ ہمیں ہیں اک چیز
چاہیے پھولوں کا بھی ایک مکرر سہرا
جبکہ اپنے میں سماویں نہ خوشی کے مارے
گوندھے پھولوں کا بھلا پھر کوئی کیونکر سہرا
رخِ روشن کی دمک گوہرِ غلطاں کی چمک
کیوں نہ دکھلائے فروغِ مہ و اختر سہرا
"تار ریشم کا نہیں ہے یہ رگِ ابرِ بہار
لائے گا تابِ گرانباریِ گوہر سہرا
ہم سخن فہم ہیں غالب کے طرفدار نہیں
دیکھیں اس سہرے سے کہدے کوئی بہتر سہرا

اس سہرے کا صلہ یہ ملا کہ بادشاہ کہنے لگے اب ہم پر بھی چشمکیں ہونے لگیں کیا اس سہرے کے برابر کوئی سہرا کہنے والا نہیں۔ گویا ہمنے ذوق کو طرفداری سے ملک الشعرا اور استاد بنایا ہے۔ چنانچہ اسی وقت ذوق مرحوم کو بلوایا اور کہا کہ تم بھی ایک سہرا کہدو مگر مقطع پر نظر رکھنا۔ ذوق مرحوم نے غالب کے سہرے پر یہ سہرا کہا :-

سہرا

اے جوان بخت مبارک ہو ترے سر پہ سہرا
آج ہے یمن و سعادت کا ترے سر پہ سہرا
آج وہ دن ہے کہ لائے دُرِ انجم سے فلک
کشتیِ زر میں مہِ نو کی لگا کر سہرا
تابشِ حسن سے مانند شعاعِ خورشید
رخِ پُر نور پہ ہے تیرے منور سہرا

وہ کہے صل علیٰ - یہ کہے سبحان اللہ
دیکھین کس طرح سے پڑتے ہین مہ و اختر سہرا

تابنی اور بنے مین رہے اخلاص بہم
گوندہیے سورۂ اخلاص کو پڑھ کر سہرا

دہوم ہے گلشن آفاق مین اس سہرے کی
اللہ اللہ رے پہولون کا معطر سہرا

روئے فرخ پہ جو ہین تیرے برستے انوار
تار بارش سے بنا ایک سراسر سہرا

ایک کو ایک پہ تزئین ہے دم آرائش
سر پہ دستار ہے دستار کے اوپر سہرا

ایک گوہر بھی نہین صدکان گہر مین چھوڑا
تیرا بنوایا ہے لے لیکے جو گوہر سہرا

پھرتی خوشبو سے ہے اترائی ہوئی باد بہار
اللہ اللہ رے پہولون کا معطر سہرا

سر پہ طرہ ہے مزین تو گلے مین بدہی
کنگنا ہاتھ مین زیبا ہے تو منہ پر سہرا

رونمائی مین تجھے دے مہ و خورشید فلک
کہولدے منہ کو جو تو منہ سے اٹھا کر سہرا

کثرت تار نظر سے ہے تماشائیون کے
دم نظارہ ترے روئے نکو پر سہرا

دُرِ خوش آب مضامین سے بنا کر لایا
واسطے تیرے ترا ذوق ثناگر سہرا

جس کو دعویٰ ہے سخن کا یہ سنا دے اسکو
دیکھ اس طرح سے کہتے ہین سخنور سہرا

دونون سہرے اپنی اپنی جگہ بے نظیر ہین - مگر پہلے مرزا نے اپنی طبیعت پر زور
دیکر سہرا کہا - اور ذوق نے اس شعر [illegible] سہرے پر سہرا کہا - باوجود

اس امر کے سخن کے پرکھنے والے دیکھ سکتے ہین کہ کس سمت سے کو ترجیح دینی چاہیئے۔

میری رائے ناقص مین کہی ہوئی غزل پر غزل کہنی نہایت آسان بات ہے۔ اتفاقاً ایکدفعہ انجمن پنجاب لاہور کا مشاعرہ تھا۔ اور طرح تھی ؎

آجکل جوش جنون مین تیرے دیوانیکو

ایک دوست میرے پاس آئے۔ اور کہنے لگے کہ بھئی پانچ شعر تو ہوگئے ہین دو شعر تم کہدو تو سات شعر کی غزل مشاعرہ مین پڑھدون۔ مین نے اُنہین چند مثالیہ دے ٹالے۔ رفیق کی اس زمین پر غزل موجود تھی مین نے اس غزلکو سامنے رکھ لیا۔ رفیق کا پہلا شعر تھا ؎

منع کرتی ہے نزاکت جو یہان آنے کو
اپنی تصویر ہی بھیجو ہمین بہلانے کو

مین نے فوراً اسکو اسطرح پہ بدل دیا ؎

کوئی سمجھے ہے میرا دل کہ بہل جائے گا۔
اپنی تصویر نہ بھیجو اسے بہلانے کو

دوسرا شعر رفیق کا تھا ؎

دیکھو برگشتگی بخت کہ آتی نہین نیند
خواب مین کہگئے تھے وہ میرے گھر آنیکو

مین نے فوراً اُسے اسطرح بدل دیا ؎

دیکھو برگشتگی بخت کہ آتی نہین موت
میرے مرنے پہ وہ کہتے تھے یہان آنیکو

چلو ایک منٹ مین دو شعر ہوگئے۔ حاصل کلام یہ کہ کہی ہوئی غزل پر غزل کہنی نہایت آسان ہے۔

غالب نے جب دیکھا کہ بادشاہ کو اپنے اُستاد کی حمایت ہر طرح منظور ہے تو مناسب یہ ہی سمجھا کہ صفائی ہو جائے۔ واقعی اُنہون نے بہت اچھا کیا۔ بادشاہ کو ناراض کرنا اچھا نہ تھا۔ دریا مین رہنا اور مگرمچھ سے بیر۔ دانائون کا کام نہین سب انجام سوچکر یہ قطعہ حضور مین گذرانا۔

قطعہ

منظور ہے گذارش احوال واقعی
اپنا بیان حسن طبیعت نہین مجھے

سو پشت سے ہے پیشہ آبا سپہگری
کچھ شاعری وسیلہ عزت نہین مجھے

آزادہ رو ہون اور میرا مسلک ہے صلحکل
ہرگز کبھی کسی سے عداوت نہین مجھے

کیا کم ہے یہ شرف کہ ظفر کا غلام ہون
مانا کہ جاہ منصب و ثروت نہین مجھے

اُستاد شہ سے ہو مجھے پرخاش کا خیال
یہ تاب یہ مجال یہ طاقت نہین مجھے

جام جہان نما ہے شہنشاہ کا ضمیر
سوگند اور گواہ کی حاجت نہین مجھے

سہرا لکھا گیا ز رہ امتثال امر
دیکھا کہ چارہ غیر اطاعت نہین مجھے

مقطع مین آ پڑی ہے سخن گسترانہ بات
مقصود اُس سے قطع محبت نہین مجھے

روئے سخن کسی کی طرف ہو تو روسیاہ
سودا نہین جنون نہین وحشت نہین مجھے

قسمت بری سہی پہ طبیعت بری نہین
ہے شکر کی جگہ کہ شکایت نہین مجھے

صادق ہون اپنے قول کا غالب خدا گواہ
کہتا ہون سچ کہ جھوٹ کی عادت نہین مجھے

غالب مرحوم کا کلام کیا ہے۔ ایک شیر و شہد کا دریا ہے ایک مجلس مین اُنکے دوست مولوی کرم حسین کے ہاتھ مین چکنی ڈلی بہت پاکیزہ و بے ریشہ تھی اُنکی نسبت فرماتے ہین ؎

ہے جو صاحب کے کف دست پہ یہ چکنی ڈلی
زیب دیتا ہے اسے جسقدر اچھا کہیے

خامہ انگشت بدندان کہ اسے کیا لکھیے
ناطقہ سر بگریبان کہ اسے کیا کہیے

اختر سوختہ قیس سے نسبت دیجے
خال مشکین رخ دلکش لیلے کہیے

حجر الاسود دیوار حرم کیجے فرض
نافہ آہوئے بیابان ختن کا کہیے

صومعہ مین اسے ٹھہرائیے گر مہر نماز
میکدہ مین اسے خشت خم صہبا کہیے

مستی آلودہ سر انگشت حسینان لکھیے
سر پستان پریزاد سے مانا کہیے

اپنے حضرت کے کف دست کو دل کیجے فرض
اور اس چکنی سپاری کو سویدا کہیے

سبحان اللہ کیا کلام ہے۔

اب مین آخر مین دو غزلین مرزا غالب کی لکھتا ہون کیونکہ مقابلہ مین اندازہ کلام کے لئے ضروری ہین۔

غزلیات

عشق مجھکو نہین وحشت ہی سہی
میری وحشت تیری شہرت ہی سہی

قطع کیجے نہ تعلق ہم سے
کچھ نہین ہے تو عداوت ہی سہی

میرے ہونے مین ہے کیا رسوائی
اے وہ مجلس نہین خلوت ہی سہی

ہم بھی دشمن تو نہین ہین اپنے
غیر کو تجھ سے محبت ہی سہی

عمر ہرچند کہ ہے برق خرام
دل کے خون کرنے کی فرصت ہی سہی

ہم کوئی ترک وفا کرتے ہین
نہ سہی عشق مصیبت ہی سہی

کچھ تو دے اے فلک ناانصاف
آہ و فریاد کی رخصت ہی سہی

ہم بھی تسلیم کی خو ڈالین گے
بے نیازی تیری عادت ہی سہی

یار سے چھیڑ چلی جائے اسد
گر نہین وصل تو حسرت ہی سہی

ایک اور غزل سنئے۔

درد منت کش دوا نہ ہوا
مین نہ اچھا ہوا برا نہ ہوا

جمع کرتے ہو کیون رقیبون کو
ایک تماشا ہوا گلا نہ ہوا

ہم کہان قسمت آزمانے جائین
تو ہی جب خنجر آزما نہ ہوا

کتنے شیرین ہین تیرے لب کہ رقیب
گالیان کھا کے بیمزا نہ ہوا

ہے خبر گرم انکے آنے کی
آج ہی گھر مین بوریا نہ ہوا

کیا وہ نمرود کی خدائی تھی
بندگی مین میرا بھلا نہ ہوا

جاندی دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

زخم گر دب گیا لہو نہ تھما
کام گر رک گیا روا نہ ہوا

رہزنی تھی کہ دلستانی تھی
لیکے دل دلستان روانہ ہوا

کچھ تو پڑھئے کہ لوگ کہتے ہین
آج غالب غزلسرا نہ ہوا

تمام شد

پیسہ اخبار لاہور

نہایت ارزان - کیونکہ قیمت صرف ۲ روپے سالانہ معہ محصولڈاک ہے - اور پیشگی قیمت دینے والے کو
ایک عمدہ کتاب انعام ملتی ہے - حجم ۲۰ صفحے - بالتصویر بہت زیادہ - تازہ بتازہ اور معتبر خبرین نادر
اور مستند اشعار عمدہ اور دلچسپ مضامین شائع ہوتے ہیں - جو شخص ایک پیسہ دینے کا مقدور رکھتا
ہو اور کچھ بھی مذاق اخبارات کا رکھتا ہو - ممکن نہیں کہ یہ دیکھکر اس کے مطالعہ کا شائق نہ ہو جاوے
یہی وجہ ہے کہ اس وقت تمام ہندوستان کے اردو اخبارات مین زیادہ بکتا ہے +

زمیندار - باغبان و بیطار

چونکہ ہندوستان بھر مین مضامین زراعت - باغبانی - علاج المواشی - صنعت و حرفت - تجارت وغیرہ
کا اکیلا ماہوار - بالتصویر - اردو رسالہ ہے - قیمت عام سالانہ للعہ - امراے ۵ر - حکام و والیان
ریاست سے للعہ - نمونے کی کاپی ۳ر کو مل سکتی ہے - ہر ایک ہندوستان کے خیرخواہ کا فرض ہے کہ اس
نادر رسالے کی امداد کرے اور اس فرض سے سبکدوش ہو - اس رسالے کی بابت بڑے بڑے تجربہ کار افسران
زراعت اور دستکاری گورنمنٹ نے بہت اعلی رائے دی ہے اور پنجاب کے اکثر حکام ضلع نے اس کی خریداری
فرما کر اس کی سرپرستی منظور کی ہے +

شریف بیبیان

تعلیم نسوان کا ماہوار رسالہ جس مین سعادتمند لائق بیٹی - سلیقہ شعار نیکبخت بی بی - اور مہربان عقلمند ماں
بننے کی ہدایات درج ہوتی ہین - ماہ ستمبر ۱۹۰۳ء سے کارخانہ مطبع خادم التعلیم پنجاب پیسہ اخبار لاہور سے نکلنا
شروع ہوا ہے - غرض اس کی اشاعت سے صرف یہ ہے کہ یورپ و امریکہ کے اعلی درجے کے فرقہ اناث کے ساتھ
گویا مقابلہ پر ہندوستانی شریف بیبیون مین امور خانہ داری - حسن معاشرت اور تعلیم و تربیت اطفال
کا عمدہ مذاق پیدا کیا جاوے - ہر شخص جو اہل و عیال رکھتا ہے اس رسالے کو اپنے گھر مین منگوا
دینے کا حاجتمند ہوگا - کیونکہ کون نہیں چاہتا کہ اس کے گھر مین انتظام خانہ داری بہ سلیقہ اور کفایت شعاری
کا رواج ہو - بچون کی تعلیم خاطر خواہ ہو - اور گھر جو سچے طور پر بہشت کا مرادف لفظ ہے اس کے
تمام دنیا کے تفکرات سے امن اور شفا ہو جاوے - قیمت سالانہ معہ محصولڈاک ۱عہ +